جلد 27 شمارہ 7 ماہ جولائی 2025ء محرم الحرام 1447ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت

اللّٰہ

محبت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض ومقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اس کی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد وبغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ

بانی مجلّہ فلاح آدمیت

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

info@tauheediyah.com :ای میل Ph: 055-3411030

Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے ❁❁❁ سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

پیامِ قرآن

وَسَارِعُواْ إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ۔ الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاء وَالضَّرَّاء وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔ (سورۃ آل عمران ۳: آیات ۱۳۳۔۱۳۴)

اور دوڑو اپنے رب کی بخشش اور اس کی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمانوں اور زمین جیسی ہے۔ اور وہ ان خدا ترس لوگوں کے لئے مہیا کی گئی ہے جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں، خواہ بدحال ہوں یا خوش حال۔ جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ اور اللہ ایسے نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے۔

إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ وَتِلْكَ الأيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّهُ الَّذِينَ آمَنُواْ وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاء وَاللّهُ لاَ يُحِبُّ الظَّالِمِينَ۔ (سورۃ آل عمران ۳: آیت ۱۴۰)

اس وقت اگر تمہیں چوٹ لگی ہے تو اس سے پہلے ایسی ہی چوٹ تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکی ہے۔ یہ تو زمانے کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ تم پر یہ وقت اس لئے لایا گیا کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سچے مومن کون ہیں، اور ان لوگوں کو چھانٹ لینا چاہتا تھا جو واقعی (راستی کے) گواہ ہوں کیونکہ اللہ کو ظالم لوگ پسند نہیں ہیں۔

فرمانِ نبویﷺ

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریمﷺ میرے گھر تشریف لائے، اس وقت میرے پاس (انصار کی) دولڑکیاں جنگ بعاث کے قصوں کی نظمیں پڑھ رہی تھیں۔ آپﷺ بستر پر لیٹ گئے اور اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ آئے اور مجھے ڈانٹا اور فرمایا کہ یہ شیطانی باجہ نبی کریمﷺ کی موجودگی میں؟ آخر میں نبی کریمﷺ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ جانے دو خاموش رہو پھر جب حضرت ابو بکرؓ دوسرے کام میں لگ گئے تو میں نے انہیں اشارہ کیا اور وہ چلی گئیں۔ (کتاب العیدین، صحیح بخاری)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ یہ عید کا دن تھا۔ حبشہ سے کچھ لوگ ڈھالوں اور برچھیوں سے کھیل رہے تھے۔اب یا خود میں نے کہا یا نبی کریمﷺ نے فرمایا کہ کیا تم یہ کھیل دیکھو گی؟ میں نے کہا جی ہاں۔ پھر آپﷺ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر لیا۔ میرا رخسار آپﷺ کے رخسار پر تھا اور آپﷺ فرما رہے تھے کہ کھیلو کھیلو اے بنی (ارفدہ) یہ حبشہ کے لوگوں کا لقب تھا پھر جب میں تھک گئی تو آپﷺ نے فرمایا ''بس!'' میں نے کہا جی ہاں۔ آپﷺ نے فرمایا کہ جاؤ۔ (کتاب العیدین، صحیح بخاری)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ تشریف لائے تو میرے پاس انصار کی دولڑکیاں وہ اشعار گا رہی تھیں جو انصار نے بعاث کی جنگ کے موقع پر کہے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ یہ گانے والیاں نہیں تھیں، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ رسول اللہﷺ کے گھر میں یہ شیطانی باجے اور یہ عید کا دن تھا۔ آخر رسول اللہﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا: اے ابو بکر! ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور آج یہ ہماری عید ہے۔ (کتاب العیدین، صحیح بخاری)

ندائے عارف

(فرمودات شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد یعقوب صاحب توحیدی مدظلہٗ)

(ماجد محمود توحیدی)

☆ سوال کیا گیا کہ تصوف کی تاریخ اس بات سے بھری ہوئی ہے کہ بزرگان نے روحانی لطائف پر بڑا زور دیا۔قبلہ انصاری صاحبؒ نے اس کو یکسر نظر انداز کیا ہے۔ایسا کیوں ہے؟اس کے جواب میں فرمایا:

انصاری صاحب ان چھوٹے چھوٹے چکروں میں پڑے ہی نہیں۔ جو فقیر اس وقت ان دائروں میں کامیابی حاصل کرنا چاہتے تھے جیسے کہتے ہیں کہ یہ سر کا لطیفہ کھل گیا تو سارے لوگ شروع سے اس کی سیر کرنا پسند کرتے تھے۔جبکہ انصاری صاحبؒ نے ان ساروں کو بند کر کے صرف ایک ہی لطیفہ رکھا ہے کہ ہم نے صرف اس ایک کو ہی ٹارگٹ کرنا ہے، تم لوگ بس یہی ایک کرو اور رستے میں یہ ساری باتیں آپ کو خود بخو دملتی رہیں گی۔اس طرف جائیں ہی نہیں۔اپنا وقت ضائع مت کرو۔یہ بہت مصروف زمانہ ہے، بہت مصروف وقت ہے، آپ کے پاس اور بہت کام ہیں۔خود اس لطیفے میں بھی اللہ تک پہنچنے کے لئے کوئی کم محنت نہیں کرنی پڑتی۔وہ محنت کرو۔سیدھا راستہ جو ہے ایک ہی رستہ ہے۔اس رستے کو قائم رکھو۔ اس رستے پہ پہنچ جاؤ، وہی رستہ طے کر لو تو آپؒ نے یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں چھوڑ دیں کہ ان پر اپنا وقت ضائع مت کریں۔اسی لئے وہ سارا کچھ بند کر دیا کہ کوئی ضرورت نہیں ہے یہی کرو۔ نیکی کرو، انہوں نے کشف کے لئے یہ کرو اور وہ کرو کی جو باتیں ہیں اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کہا

ہم نے تو ان کی سُنی ہے۔ ہم نے یہ سارے لطیفے وظیفے ایک طرف رکھے ہوئے ہیں۔ دیکھیں اب ہمارا انجام اللہ میاں کیا کرتا ہے۔اس پر ہی چھوڑ دیتے ہیں ۔اللہ ہی بہتر کرنے والا ہے۔

☆ معاشرے میں رائج رسومات پر سوال کیا گیا تو فرمایا:

شادی میں آپ کو بڑے خاص انداز سے چلاتے ہیں، پھراتے ہیں ۔ یہ ساری غلط چیزیں ہیں تو یہ مت کرو۔سیدھے سادے ہو جیسے صاف کپڑے پہن لئے تیار ہو گیا کہ میں دولہا بن گیا ہوں ۔اللہ اللہ خیر صلہ۔چل پڑتے ہیں۔اسی طرح دوسری باتیں جیسے شادی سے پہلے اتنی رسمیں بن گئی ہیں کہ جیسے مہندی اور کئی دوسری رسمیں جو بنا رکھی ہیں وہ سب غلط ہیں۔ انہیں بند کرو۔سیدھا نکاح کرو مسجد میں تین آدمیوں کو ساتھ لے جاؤ اور بچی کو ساتھ لے جا کر اپنا گھر بساؤ۔یہ سیدھی بات ہے۔آج کل پتا نہیں کہ ایک شادی کے لئے کوئی پانچ چھ فنکشن بنا لئے ہیں یہ سارے اسراف ہیں ۔اسی لئے باباجی نے کہا کہ یہ ہمارے معاشرے کو گھن کی طرح کھا رہے ہیں اور یہ دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں، کم نہیں ہوتے ۔

ایسی موٹی موٹی باتیں ہیں۔اب جنازہ ہوتا ہے اور اس کے بعد فوراً کہتے ہیں کہ حلوہ بناؤ، روٹیاں پکاؤ۔آج دسواں ہے، آج تیسواں ہے، آج چالیسواں ہے۔میرے ایک دوست کہتے ہیں کہ یہ سارے ولیمے ہیں۔صحیح بات ہے یہ ولیمے کرنا بند کرو اور ان کے لئے اپنے گھر میں فاتحہ خوانی کرو۔گھر کے جتنے افراد ہیں وہ اللہ اللہ کرو، تلاوت کرو، نماز پڑھو، اپنے مُردوں کے لئے دعائیں کرو۔ہاں اگر پیسہ لگانا ہے اس سے کسی کی مدد کرنی ہے تو ایصال ثواب کے لئے کسی کی مدد کرو۔کسی مدرسے کو دو، کسی اور ایسی جگہ دو جہاں اللہ اللہ ہو رہی ہو۔ ان کو دو اور دعا کا کہو۔یہ سیدھا رستہ ہے اور وہ جو دسویں، پانچویں، تیسویں اور چالیسویں یہ سب غلط ہیں ۔یہ سب موٹی باتیں ہیں جو سب کو پتا ہیں۔

باباجیؒ نے کہا تھا کہ یہ ساری چیزیں ان سے جان چھڑانی اتنی آسان نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی بنیاد جو ہے وہ خواتین کے دلوں میں ہے اور خواتین کسی کی مانتی نہیں ہیں۔ بڑا مشکل ہوگا لیکن آپ کوشش کریں گے تو ہو جائے گا۔

ہمارے ہاں اس دفعہ ریاض صاحب (خادم حلقہ گوجرانوالہ) نے کیا۔ ماشاء اللہ مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ انہوں نے کوئی تیسرا، پانچواں، دسواں نہیں کیا۔ سیدھی سادی فاتحہ خوانی کی، سب بھائی اکٹھے شامل ہو گئے اور چھٹی ہو گئی۔ اب وہ گھر والے اور دوسرے بھائی بھی ان کے والد صاحب کے لئے دعا کرتے رہیں گے۔ اب یہ سیدھی بات تھی۔ یہ توحیدی ہے۔ میں نے خود بھی اپنی شادی میں بھی کیا اور اپنی والدہ اور والد کے جنازے میں بھی کیا۔ اللہ کا فضل ہے کہ اس کے بعد ہمارے پورے خاندان میں وہی سسٹم چل رہا ہے۔ اب کوئی دسویں، تیسرے نہیں کرتے۔ سب ایسا کرتے ہیں۔ یہ Innitiative لینے کی بات ہے۔ جس میں Courage ہوتا ہے صرف وہی Innitiative لیتا ہے ورنہ بقول باباجیؒ کے اس کے خلاف آواز نکالنا بہت مشکل ہے کیونکہ خواتین اپنے گھر کی بھی اور دوسری بھی سب مل جاتی ہیں اور ایک ہنگامہ بن جاتا ہے۔

ایسی بات نہیں ہے کہ یہ مشکل کام نہیں ہے اور نہ یہ Differentiate کرنا مشکل ہے۔ خود جو بری چیز ہوتی ہے وہ آپ کو بری لگے گی۔ جہاں اسراف ہوتا ہے وہ سمجھو بری ہے وہ اسلامی رسم نہیں ہے۔ اسراف کی اجازت نہیں ہے۔

إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا۔

(سورۃ الاسراء ۱۷۔ آیت ۲۷)

جو اسراف کرتے ہیں وہ شیطان کے بھائی ہیں۔ وہ کام مت کریں۔ یہ ساری باتیں خود بخود ختم ہو جائیں گی لیکن یہ کرنا پڑے گا۔ اس میں Innitiative اگر ایک آدمی

نے بھی لے لیا اور یہ بات مشہور کر دی تو یہ آہستہ آہستہ حوصلہ سارے کریں گے اور سارا خاندان ہی صاف ہو جائے گا۔

ہماری بدقسمتی ہے کہ ہماری قوم زوال پذیر ہے۔اس میں تین کے بجائے دوٹکڑے بنے ہوئے ہیں۔ایک حد سے زیادہ امیر اور ایک حد سے زیادہ غریب۔اگر کوئی درمیانی طبقہ اس کا ہوتا تو وہ شاید غریبوں کی مدد کرتا۔اس طبقے کی اکثریت منتی اور ملک ترقی کرتا۔لیکن ابھی چونکہ دو ہیں، جو امیر طبقہ ہے وہ ہر لحاظ سے Dominate کرتا ہے اور وہ اپنے طور طریقے پھیلا رہا ہے۔

پہلے شادی کے دو ہی فنکشن تھے زیادہ سے زیادہ۔ایک کو ہم 'مایاں' کہتے تھے اور دوسرے کو لوگ 'مہندی' کہتے تھے اور اگلے دن جا کے چھٹی ہو جاتی تھی۔انہوں نے تین چار فنکشن اور نکال دیئے ہیں۔یہ سب اُن پیسے والوں کی اختراع ہے،اُنہوں نے یہ کیا ہے اور اب سارے لوگ یہ کرتے ہیں۔مجبوراً بھی کرتے ہیں۔جو نہیں کر سکتے وہ بھی کرتے ہیں۔ اب ساری باتوں کو ان لوگوں کو خود روکنا چاہئے ورنہ یہ بڑھتے جائیں گے اور آگے جا کر زیادہ خراب ہوں گے۔اب تو نہ جانے کیا کیا ہے کہ ایک قوالی کی رات بھی ہے۔

یہ باتیں ہیں۔ان میں آپ خود اپنے آپ کو دیکھیں۔اپنے گھر والوں کو دیکھیں کہ کہاں تک ان باتوں میں Involve ہیں۔میرا خیال ہے کہ آپ نے تو یہ مسئلہ Cover کر لیا ہے۔جہاں رشتہ داری، دوستی اور یہ چیزیں ہوں وہاں پر ذرا نکلنا مشکل ہوتا ہے لیکن ہمت کرنی پڑے گی۔Innitiative آپ لوگوں کو ہی لینا پڑے گا۔تو حیدیوں کو۔ہم اسے غلط سمجھتے ہیں۔اور لوگ تو اسے غلط سمجھ کے یہ بھی نہیں کہتے کہ غلط ہے۔کسی میں یہ جرات ہی نہیں ہے کہ کہے کہ یہ غلط ہے، یہ مت کرو۔کون کہے گا کہ قل مت کرو؟ کوئی کہتا ہے؟ قل پر سب جاتے ہیں۔دسویں، پانچویں، تیسویں پر سب جاتے ہیں۔سب کھاتے ہیں اور پیتے ہیں۔

ایک میرے دوست کو اس کے دوست نے بلایا۔اس کے دوست کی بیوی کا چالیسواں تھا۔اُس نے بلایا،وہ گیا اور دیکھا کہ میز لگے ہوئے ہیں۔وہ اپنے بیٹے کو ساتھ لے کے آ گیا کہ چلو یار یہاں ولیمہ ہے،ہم نہیں کھاتے۔میرا گھر قریب تھا،وہ آیا اور اس نے کہا کہ مجھے کھانا کھلاؤ۔اس نے بتایا کہ میں یہاں آیا تھا مگر وہاں تو ولیمے کی دعوت تھی۔ہم نے تو وہ بے چاری بڑھیا کے لئے دعا کرنی تھی۔میں نے کھانا کھلایا۔وہ کھانا کھا کے چلے گئے مزے سے اور وہاں شامل ہی نہیں ہوئے۔ایسے لوگ کم ہوتے ہیں۔ہمیں اس بات کا احساس کرنا چاہئے،اسے یاد رکھنا چاہئے اور جب بھی موقع ملے اس سے جان ضرور چھڑانا چاہئے۔ ہمت سے کام لے کے ہمیں جان چھڑانا چاہئے۔یہ بہت ضروری ہے۔

جب بھی کوئی کام کرنا ہے تو مشورہ کر لیا کرو کہ ہم نے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا، اور پھر سب مل کے جو فیصلہ کریں وہ کریں۔اگر آپ نے کم از کم ایک رسم سے جان چھڑا لی تو یہ آپ کی بڑی کامیابی ہوگی۔یہ ضروری ہے۔اپنے آپ کو ان خرافات سے نکالیں۔یہ سب خرافات ہیں۔زیادہ سے زیادہ کوئی یہی کہے گا کہ پیسے بچاتے ہیں۔بولو: پیسہ بچانا کیا جرم ہے؟ یہ کرو۔یہ کوئی طعنے کی بات ہے؟ ساری دنیا بچاتی ہے،ہم بھی بچاتے ہیں۔کہو: اللہ نے تو بچانے کا حکم دیا ہے۔آپ کون ہوتے ہیں روکنے والے کہ مت بچاؤ۔اللہ تعالیٰ نے فضول خرچوں کو شیطان کا بھائی بتایا ہے۔بولو: آپ وہ بننا چاہتے ہیں تو بنیں،ہم تو نہیں بنتے۔ ایک طرف سارے قرضے ہیں تو وہ یاد نہیں اور یہاں پر سارے فضول خرچی پر کہتے ہیں۔ اچھا بہانہ ہے وہاں خرچ کر کے تم بڑے اچھے لگتے ہو۔شرم نہیں آتی۔

☆ انتخابات کے بعد ملکی سیاسی صورتحال پر بات ہوئی اور پوچھا گیا کہ ہمیں اس پر کتنا پریشان ہونا چاہئے تو فرمایا:

ہم میں سیاست کو موضوع بحث نہیں بننا چاہئے۔یہ پہلی بات ہے۔ہم پریشان

نہیں ہوں گے۔نہ ہم کسی کے مقابلے میں شیطان کی بات سمجھ کے ڈنڈے لے کے اُٹھیں گے۔ہم دیکھیں گے کہ ہمارے امیدواروں میں کون اللہ کے قریب ہے،ہم اُس کو ووٹ دیں گےاوراپنے گھر آ کے بیٹھ جائیں گے۔ووٹ دینا ہمارا حق ہے۔اگر وہ کوئی پارٹی آپ کے ذہن میں اچھی ہےاوراس سے ملک کے لئے کوئی اچھائی کرنے کی امید ہےتو آپ اُس کو ووٹ دے دیں ورنہ امیدوار کوتو Judge کرنا آپ کے اپنے بس کی بات ہے۔آپ دیکھ سکتے ہیں کہ امیدوار نیک ہے یا بد ہے۔اگر نیک ہےتو اُسے ووٹ دے کر آ کے بیٹھ جائیں، اس حد تک ہم ہیں۔باقی یہ نعرے بازیاں اور جلسے جلوس یہ ہمارے بس کی بات نہیں ہے،ہم نہیں کر سکتے اور ہم کریں گے بھی نہیں۔ہم اپنا وقت ضائع نہیں کریں گے لیکن ہم اپنا ووٹ ضرور دیں گے اور جہاں جتنا کوئی اللہ کے قریب ہوگا تو ہم اُسے ہی ووٹ دیں گے۔ اپنی مرضی سے ووٹ دیں گےاور کسی کے کہنے میں نہیں آئیں گے۔

☆ سوال کیا گیا کہ دعا کی حقیقت کیا ہے؟ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ جونصیب میں لکھا ہے وہی ملنا ہے جونہیں لکھاہواوہ نہیں ملنا۔اگر ایسا ہےتو دعا کس لئے کریں؟اس کے جواب میں فرمایا:

دعا کی حقیقت التجا ہے۔عاجزی ہے۔آپ اپنی عاجزی اللہ کے سامنے پیش کرتے ہیں جواللہ کو بہت زیادہ پسند ہے۔حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ دعا عبادت ہے۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جو کچھ آپ کی زبان سے اپنے الفاظ میں نکل گیا وہ فضول چلا گیا۔ ایسی بات نہیں ہے۔آپ نے پوری عاجزی وانکساری کے ساتھ اپنا مسئلہ اللہ کے سامنے پیش کیا ،یہ عبادت ہے۔عاجزی وانکساری آپ کا فعل ہے۔یہ فعل اور آپ کی خواہش مل کے یہ آپ کی عبادت بنتی ہے۔اللہ تعالیٰ چاہےتو آپ کے فعل کو،آپ کی خواہش کو پورا کر لیتا ہے۔
یہ دعا عبادت ہے۔ایسا نہیں ہے کہ ہم دعا کرنا چھوڑ دیں کہ اللہ میاں اپنی کرتا ہے

بے شک اللہ میاں اپنی کرتا ہے لیکن جب آپ کے پیش کرنے کا انداز اللہ کو پسند آ جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے فیصلوں کو بھی بدل دیتا ہے۔ یہ یاد رکھیں۔ بقول انصاری صاحبؒ کے انہوں نے ایک جگہ لکھا ہے کہ اللہ میاں نے یہ نہیں کیا کہ جو فیصلہ کر لیا بس ہاتھ توڑ کے بیٹھ گئے، وہ Change نہیں ہو سکتا۔ اس کو Change بھی کیا جا سکتا ہے۔ اللہ میاں Change کر لیتا ہے۔

دوسرا یہ کہ دعا کرنے سے آپ کا کبر ٹوٹتا ہے۔ آپ اللہ کے سامنے التجا کرتے ہیں، عاجزی سے اپنا مسئلہ پیش کرتے ہیں۔ آپ کے اندر عاجزی پیدا ہوتی ہے، یہ بہت بڑی اخلاقی قوت ہے۔ اس سے آپ کی اپنی اصلاح ہوتی ہے۔ دعا کو تو حضور اقدس ﷺ نے عبادت کہا ہے اور کہا ہے کہ یہ عبادت کا مغز ہے۔ اس لئے اس کو فضول مت سمجھیں۔ دعا ضرور کیا کریں۔ پوری عاجزی اور پورے اہتمام کے ساتھ دعا کیا کریں تا کہ اللہ میاں کو پسند آئے اور آپ کی دعائیں قبول بھی ہوں۔ پورے اہتمام کے ساتھ، پیار کے ساتھ، عاجزی کے ساتھ، اللہ میاں نے خود طریقہ بتایا ہے، سورۃ فاتحہ کو اگر آپ پڑھیں تو اس میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی ثنا بیان کی ہے، پھر شکر بیان کیا ہے، پھر آگے تعریفیں کی ہیں کہ وہ اتنا بخشنے والا ہے، مہربان ہے، پھر آپ دعا کرتے ہیں کہ ہمیں سیدھا رستہ دکھا۔ یہ طریقہ ہے۔ اللہ میاں کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کرنے کا طریقہ اللہ میاں نے خود سورۃ فاتحہ میں بتایا ہے۔ اس طریقے سے اللہ کے سامنے اپنا مقصد پیش کریں۔ انشاء اللہ ضرور کامیابی ہوگی۔ اگر آپ کے ذہن میں یہ ہے کہ یہ دعا کوئی بیکار چیز ہے تو یہ ذہن سے نکال دیں۔ دعا بہت ہی کام کی چیز ہے بلکہ آپ کی عبادت کا مغز ہے جیسا حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے یہ آپ کی عبادت کا مغز ہے۔ اس لئے اس کو عام بات مت سمجھیں۔

سوال کرنے والے بھائی نے کہا کہ خود دعا کرنا تو عبادت ہے۔ کسی اور سے جو دعا کراتے ہیں تو یہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں فرمایا:

جو آپ کے لئے دعا کرتے ہیں وہ بھی اسے عبادت سمجھ کے ہی کرتے ہیں۔
آپ کا مقدمہ لڑنے کے لئے جیسے آپ وکیل ہیں، آپ عدالت میں مؤکل کی طرف سے دعویٰ کرتے ہوتے ہیں ایسے وہ اس طریقے سے عدالت میں پیش ہوتا ہے اور اپنا مقدمہ پیش کرتا ہے۔ دعا یہ بھی ہے اور دعا وہ بھی ہے جو آپ خود کرتے ہیں۔ بس یہاں پر آپ کسی کو وکیل بنا لیتے ہیں وہ کرتا ہے اور وہاں پر آپ خود بات کرتے ہیں۔

بھائی نے دوبارہ کہا کہ وکیل ہماری التجا جو ہوگی وہ زیادہ بہتر طریقے سے پیش نہیں کر سکتے؟ اس پر آپ نے فرمایا:

باباجیؒ کہتے تھے کہ دعا خود کیا کرو۔ میں آپ کو ایک واقعہ بتاؤں۔ باباجیؒ کے سامنے ہم بیٹھے تھے۔ ہمارے سامنے ایک آدمی آیا، اس نے کہا کہ باباجیؒ میرے لئے دعا کریں۔ باباجیؒ نے ہم سب کے سامنے پوچھا کہ یار یہ مسئلہ آپ کو ہے یا مجھے؟ اس نے کہا کہ جی مجھے۔ باباجیؒ نے کہا: یہ بتاؤ کہ اس کی اچھائیاں برائیاں آپ بہتر سمجھتے ہیں اور Feel کرتے ہیں یا میں؟ اس نے کہا: جی میں۔ پھر اس کو کہا کہ آپ اس کو اچھے طریقے سے رب کے سامنے خود پیش کر سکتے ہیں یا کوئی اور پیش کرے تو وہ؟ اس نے کہا کہ میں۔ آپ نے اسے کہا: پھر خود کرو۔ آپ کو کس نے کہا ہے کہ کسی کے سامنے جاؤ اور دعا کراؤ۔ خود اپنے لئے دعا کرو آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

یہ ہم نے طریقہ بنا لیا ہے کہ میرے لئے دعا کرو، میرے لئے دعا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عقل بھی دی ہے، علم بھی دیا ہے، طریقہ بھی بتایا ہے، سارا کچھ۔ اس سے Direct مانگو اور دھڑلے سے مانگو۔ اللہ تعالیٰ دینے والا ہے وہ سب کے لئے ویسا ہی مہربان ہے جیسا کسی ایک کے لئے۔ سب پر ایسا ہی مہربان ہے۔ اللہ میاں سب کی بات سنتا ہے۔ اس نے کبھی کسی جگہ یہ نہیں لکھا کہ فلاں آدمی یہ دعا کرے تو قبول ہوگی اور فلاں کرے تو نہیں ہوگی۔

خود دعا کرو۔ پورے Confidence سے کرو۔ اللہ تعالیٰ قبول کرنے والا ہے۔

ہم خود دعا نہیں کرتے تو ہم غلطی پر ہیں۔ ہمیں دعا خود کرنی چاہئے۔ ہمیں سکھایا گیا ہے، ہم خود دعا کریں لیکن پھر بھی ہم اگر اپنے کسی بزرگ کو اپنے لئے دعا کرنے کے لئے کہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اللہ میاں نے کرنا ہے تو وہ آپ کے کہنے پر بھی کر دے گا اور ان کے کہنے پر بھی کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ ہے ہی مہربان۔ وہ بالکل ہر کسی کی سنتا ہے اور کرتا وہ ہے جس میں ہماری بہتری ہے۔

یہ ایک بات اور یاد رکھیں۔ اکثر دعائیں بظاہر قبول نہیں ہوتیں لیکن حقیقت میں دعا کوئی بھی رد نہیں ہوتی۔ دعائیں ساری قبول ہوتی ہیں۔ بہت دفع کوئی دعائیں ہم ایسی کرتے ہیں کہ وہ اگر قبول ہو جائیں تو اس میں ہمیں فائدے کی بجائے نقصان ہو گا۔ اس لئے پھر اللہ میاں کیونکہ دانا ہے، حکیم ہے، اسے سب پتا ہے، اس لئے وہ دعا بظاہر قبول نہیں ہوتی اور اس کی بجائے اللہ میاں آپ کو اور کوئی نعمت عطا فرما دیتا ہے۔ اس لئے آپ لوگوں کی دعا جب قبول نہ ہو، بظاہر آپ کی جو خواہش ہے وہ قبول نہ ہو تو آپ یہ سمجھیں کہ اس میں میری بہتری ہے۔ اس میں کوئی گلہ شکوہ کرنے کی غلطی کی ضرورت نہیں، وہ بہت بڑی گستاخی ہو گی۔ ہم کہیں کہ الحمد للہ اللہ تو راضی ہے تو میں راضی ہوں۔ اس لئے آپ کی وہ دعا جو ہے اس کی جگہ اللہ اور بہت کچھ عطا کر دے گا۔ بڑی خوشی سے یہ کہہ دیں کہ یا اللہ تیرا شکر ہے، تو نے جو کچھ بہتر سمجھا وہ کر دیا۔

توحیدی کبھی گلہ شکوہ نہیں کرتے یہ یاد رکھیں۔ جب بھی آپ کی سوچ کے مطابق کوئی برا ہو یا اچھا ہو کسی بات پر کوئی اس میں گلہ شکوہ نہیں ہوتا۔ ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرنا ہے اور یہی آپ کا فرض بنتا ہے۔ آپ کے لئے بہتری اسی میں ہے کہ اللہ کا شکر ادا کریں اور اللہ سے گلہ شکوہ کر کے اپنا نقصان مت کریں۔

جب آپ نے دعا کرنی ہے تو سب سے پہلے اپنی عاجزی Show کرنی ہے۔ اپنے آپ کو Surrender کر دینا ہے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ میری یہ ضرورت ہے یا مجھ میں یہ خامی ہے تو آپ اللہ تعالیٰ سے اس طریقے سے دعا کریں کہ جیسے اس نے سورۃ فاتحہ میں ہمیں دعا کرنے کا طریقہ سکھایا ہے۔ اللہ میاں سے جو مانگنا ہے مانگیں۔ پہیلیاں مت بوجھیں۔ جو مانگنا ہے وہ سیدھے سیدھے طریقے سے مانگیں کہ مجھے یہ ضرورت ہے، میری یہ خواہش ہے، اے اللہ تو اپنے فضل و کرم سے یہ قبول فرما۔ اس کے بعد جو بھی نتیجہ نکلے اس پر غصے کا اظہار، کوئی شکوہ کرنا یا شکایت کرنا بھی گستاخی ہے۔ جو کچھ اللہ نے آپ کی دعا کے بدلے میں آپ کو عطا کر دیا، چاہے وہ Negative ہی کیوں نہ ہو، آپ اسے بھی اللہ کی طرف سے نعمت سمجھیں اور اس پر اللہ کا شکر ادا کریں کہ اس نے آپ کو اس سے بڑی سزا سے بچا لیا۔ الحمد للہ شکر ادا کریں اور مزید دعا کریں کہ یا اللہ تو آئندہ بھی ہماری رہنمائی فرما اور ہمیں صحیح چیز مانگنے کی توفیق عطا فرما۔

آپ مانگیں۔ وہ اللہ ہی ہے جو ہمارے مسائل حل کرے گا اور کون ہے؟ ہم تو اور کسی کے سامنے جانا گناہ سمجھتے ہیں۔ اپنے لئے دعا کریں اور دوسروں سے بھی دعا کروائیں۔ آپ بھی دوسروں کے لئے بھی کریں اور اپنے لئے بھی کریں۔ دوسروں کے لئے بھی دعا کریں۔ ایک حدیث مبارکہ ہے جو دوسروں کے لئے دعا کرتا ہے اللہ میاں اسے ضرور قبول کرتا ہے۔ آپ اپنے بھائیوں کے لئے اور بہنوں کے لئے بھی دعا کیا کریں۔ اللہ آپ کو ہمت دے اور اللہ تعالیٰ سب کو ایک دوسرے سے پیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆ اپنے بحر کی موجوں میں اضطراب پیدا کرو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرے گا۔

(آن لائن محفل مورخہ ۱۱ فروری ۲۰۲۴ء کی گفتگو سے اقتباسات)

تصوف کا مقام واہمیت

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ)

مقام احسان:

حضور نبی کریم ﷺ کی ایک طویل حدیث جو حدیث جبرائیل کے نام سے مشہور ہے جس میں صحابہ کی موجودگی میں حضرت جبرائیلؑ انسانی صورت میں تشریف لائے اور حضور ﷺ سے تین سوالات دریافت کرنے کا ذکر ہے۔ وہ سوالات یہ تھے:

i- ایمان کیا ہے؟ ii- اسلام کیا ہے؟ iii- احسان کیا ہے؟

جب جبرائیلؑ چلے گئے تو حضور ﷺ نے صحابہ کو بتایا کہ یہ جبریل تھے اور آپ کو دین سکھانے کے لیے آئے تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دین تین چیزوں پر مشتمل ہے۔ ایمان، اسلام اور احسان۔

احسان کے بارے میں حضور نبی کریم ﷺ نے جو جواب ارشاد فرمایا۔ وہ یہ تھا کہ:

ان تعبداللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک (صحیح مسلم)

تو اپنے رب کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔

پس اگر تو اسے نہ دیکھ سکے تو یقیناً وہ تجھے دیکھ ہی رہا ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ارکان ایمان پر بالغیب ایمان لانے اور ارکان اسلام کی پابندی کے ساتھ ساتھ یہ بھی دین ہی کا جزو ہے کہ اپنے اندر باطنی اور روحانی طور پر وہ صلاحیت پیدا کی جائے جس سے اللہ کا قرب و لقا میسر آ سکے اور نمازوں میں حضوری نصیب ہو جائے تاکہ وہ "اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ" کی مصداق بن جائیں۔ مرتبہ احسان کا حصول ہی

تصوف کا مقصود ہے۔لیکن تصوف کا لفظ قرآن وحدیث میں کہیں نظر نہیں آتا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں دوسرے علوم مثلاً صرف ونحو،علم الکلام،فقہ اسماء الرجال،علم التفسیر،علم الحدیث کی طرح تصوف بھی مدون نہیں ہوا تھا۔ان سارے اسلامی علوم کو بعد کے ادوار ہی میں ترقی ملی اور ان کے جاننے والوں کو شہرت نصیب ہوئی۔ اگر چہ حضورﷺ کے سارے صحابہؓ صوفی تھے۔ان میں فقیہ بھی تھے،محدث بھی اور مفسر بھی لیکن صحابیت کا اعزاز اتنا اعلیٰ وارفع، قابل رشک اور باعث اکرام تھا کہ تصوف کا نام تو نہ تھا لیکن اس کا کام بہر صورت ہو رہا تھا کیوں کہ مقام احسان جب دین کا اہم جز ٹھہرا تو اسے کسی صورت میں بھی نظر انداز تو نہیں کیا جاسکتا تھا۔اس مرتبہ کے حصول کے لیے قرآن اور احادیث میں جن محاسن کا ذکر آیا ہے ان کا مختصر سا تعارف باعث ترغیب اور موجب ازدیاد شوق ہوگا۔

دل بینا:

صوفیاء کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ اللہ کی ذات کا مشاہدہ ظاہری آنکھوں سے ہرگز نہیں ہوسکتا لیکن کثرت ذکر اور تزکیہ باطن کے ذریعے دل میں ایک آنکھ پیدا ہو جاتی ہے جو ذات باری تعالیٰ کو دیکھ سکتی ہے۔ جو لوگ اس زندگی میں اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہے وہ آخرت میں بھی اسے حاصل نہ کر سکیں گے۔اس دعوے کے حق میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے:

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا

سورۃ بنی اسرائیل:۷۲

جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا اور اس سے زیادہ گمراہ ہوگا۔

یعنی جس نے اللہ کو یہاں نہ دیکھا وہ وہاں بھی نہ دیکھ سکے گا۔قرآن پاک میں یہ تشریح کردی گئی ہے کہ یہ اندھا پن ظاہری آنکھوں کا نہیں ہوتا۔ارشاد ہوتا ہے:

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْر

(سورۃ الحج: ٤٦)

پس بے شک ظاہری آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ سینوں میں جو دل ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ قیامت کے اندھے پن کی سزا اللہ کے ذکر سے روگردانی کے سبب دی جائے گی:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى (سورۃ طٰہٰ: ١٢٤)

جس نے میرے ذکر سے اعراض کیا اس کے لیے تنگی کا جینا ہے اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔

اس آیت کریمہ سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ دل کی بینائی کا انحصار اللہ کے ذکر پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار جیسی انمول نعمت کے حصول کے لیے دل کی اصلاح تصوف ہی کا موضوع ہے۔ طالبان راہ حق اور عاشقان ذات کے لیے یہی علم امید کی کرن عطا کرتا ہے۔ اسی کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کرنے سے دل میں وہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ ذات کا دیدار کر سکے۔ علامہ محمد اقبالؒ نے فرمایا:

نہ ایں عالم حجاب او را نہ آں عالم نقاب او را
اگر تاب نظر داری نگا ہے می تواں کردن

یعنی اللہ کے لیے نہ ہی اِس عالم میں حجاب ہے اور نہ اُس عالم میں پردہ ہے وہ ہر جگہ جلوہ گر ہے۔ اگر اپنے اندر صلاحیت پیدا کر لی جائے تو اسے دیکھنا ممکن ہے اور یہ بھی

ارشاد فرمایا کہ ذات تک رسائی عقل وخرد اور ظاہری آنکھ کے بس کی بات نہیں، یہ دل ہی کے ذریعہ سے ممکن ہے:

عقل کو آستاں سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں
دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

(بالِ جبریل)

یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ دنیا میں دل کی بینائی اور اندھا پن، مطمئن زندگی اور تنگی کا جینا اللہ کے ذکر کرنے یا نہ کرنے پر منحصر ہے اور قیامت کے دن آنکھوں کی بینائی کے باقی رہنے اور چھن جانے کا دارومدار بھی اسی پر ہے حضور نبی کریم ﷺ نے دل کی اہمیت کے بارے میں ارشاد فرمایا:

بلاشبہ جسم میں ایک ٹکڑا ایسا ہے کہ جب وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے اور وہ ٹکڑا دل ہے۔ (صحیح بخاری)

کثرت ذکر:

اس اہم ترین ٹکڑے یعنی دل کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اعلان فرمادیا۔

اَلاَ بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب (سورۃ الرعد: ۲۸)

خبردار ہو کہ دلوں کا قرار صرف اللہ کے ذکر سے ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

ہر چیز کی صفائی اور صیقل کے لیے کوئی شے ہوتی ہے اور دل کی صیقل یا پالش اللہ کا ذکر ہے۔(صحیح بخاری)

ذکر کے اہتمام کے لیے اسلام میں سب سے پہلا انتظام تو یہ کیا گیا کہ پانچ وقت کی نماز ہر مسلمان عورت مرد پر فرض کر دی گئی۔ یہ عبادت مقررہ اوقات میں جسمانی طہارت کے ساتھ ظاہری ارکان یعنی رکوع وسجود اور قیام وقعود کی پابندی کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اور کسی کو کسی بھی حالت میں معاف نہیں ہو سکتی۔ یہ کم از کم نصاب ہے کیوں کہ فرض نمازوں کے علاوہ راتوں کو قیام کرنے ،تلاوت قرآن، نماز تہجد اور نوافل ادا کرنے کی بھی بہت فضیلت آئی ہے۔

اگر چہ قرآنی حکم: وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (سورۃ طٰہٰ: ۱۴)

اور قائم کرو نماز میری یاد کے لئے۔

اور میری یاد کے لیے نماز کھڑی کرنے کے مطابق نماز کا مقصد بھی اللہ کا ذکر ہی ہے پھر بھی نمازوں کے علاوہ عام تسبیح وتہلیل اور اللہ کا ذکر کرنے کا حکم ہے اور اللہ کے ذکر کی فضیلت قرآن میں ان الفاظ سے بیان کی گئی ہے:

وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ (سورۃ العنکبوت: ۴۵)

اللہ کا ذکر سب سے بڑی بات ہے۔

ذکر کی تاکید کے لیے قرآن میں متعدد آیات موجود ہیں جن میں سے چند ایک یہاں درج کی جاتی ہیں۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا (سورۃ الاحزاب: ۴۱)

اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو۔

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ (سورۃ النساء: ۱۰۳)

جب نماز ادا کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو کھڑے اور بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا (سورۃ المزمل: ۸)

اور اپنے رب کے نام (یعنی اللہ) کا ذکر کر اور (قلبی طور پر) سب کو چھوڑ کر اسی کا ہو جا۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (سورۃ النور: ۳۷)

مرد وہ ہیں جن کو تجارتی کاروبار اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ (سورۃ الاعراف: ۲۰۵)

اور اپنے ربّ کو اپنے دل میں عاجزی اور ڈر کے ساتھ اونچی آواز نکالے بغیر صبح و شام یاد کرو اور غافلوں میں سے نہ ہونا۔

اللہ کی طرف سے اس قدر تاکید اور وضاحت کے باوجود اگر ہم صرف پانچ وقت کی نمازوں پر ہی اکتفا کرلیں اور کثرت ذکر کے احکام کو نظر انداز کرلیں تو یہ غفلت قیامت کے روز بڑی محرومی کا باعث بنے گی۔ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے اللہ کے ذکر کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

عن ابی موسی قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثل الذی یذکر ربہ مثل الحیی والمیت۔ (بخاری و مسلم)

ابی موسیٰؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو اللہ کا ذکر کرتا ہے اس کی مثال زندہ کی ہے اور جو نہیں کرتا اسکی مثال مردہ کی ہے۔

ایک اور حدیث شریف میں اللہ کے ذکر کی فضیلت اور ذکر کرنے والوں کی سعادت بیان کی گئی ہے۔حضورﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا یقعد قوم یذکرون اللہ الا حفتهم الملائکه وغشیتهم الرحمة ونزلت علیهم السکینة وذکرهم اللہ فیمن عنده هم القوم لایشقی جلیسهم.
(بخاری و مسلم)

کوئی گروہ جب ذکر کے لیے بیٹھتا ہے تو فرشتے انہیں ڈھانپ لیتے ہیں اور رحمت ان پر چھا جاتی ہے اور سکینہ ان پر نازل ہوتی ہے اور اللہ فرشتوں میں ان کا ذکر کرتا ہے وہ ایسی جماعت ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں ہوگا۔

اللہ کے ان احکامات اور حبیب خدا کے فرمودات سے کثرت ذکر کی اہمیت و فضیلت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔اللہ کے مقرب و مقبول بندوں میں شامل ہونے اور مرتبہ احسان تک پہنچنے کے لیے ذکر دوام کا اہتمام لازمی ہے۔یہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی راہ ہے جس میں اللہ کی محبت کو تمام مخلوقات کی محبت پر مقدم رکھنا ہوتا ہے۔اللہ مالک الملک نے قرآن کی سورۃ التوبہ آیت ۱۱۱ میں ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

اللہ نے مومنوں سے ان کے مال اور جانیں جنت کے بدلے میں خرید لی ہیں۔

جب جان و مال بک گئے اور ان کی قیمت طے ہو گئی تو ان پر اب اپنا کوئی حق، اختیار یا تصرف باقی نہ رہا۔یہ خریدنے والے کی ملکیت ہمارے پاس بحیثیت امانت ہے ان میں مالک کے حکم کے علاوہ جو تصرف ہم کریں گے وہ ظلم ہوگا۔حقیقی اسلام یہی ہے کہ ہم مکمل خود سپردگی کے ساتھ اللہ کی کامل اطاعت میں داخل ہو جائیں۔اس خیال کو علامہ محمد اقبالؒ نے

کس خوبی سے باندھا ہے:

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ میں مومنین کی ایک خاص خوبی بیان فرمائی:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (سورۃ البقرۃ: ۱۶۵)

اور جو لوگ ایمان والے ہیں سب سے زیادہ محبت اللہ سے کرتے ہیں۔

اللہ سے شدید محبت کا تقاضا ہے کہ اللہ کی محبت دوسری تمام محبتوں پر غالب اور فائق رہے۔ ایک مومن کسی بھی حالت میں اپنے خالق و مالک اپنے محبوب و مطلوب اور اپنے معبود اللہ کو فراموش نہ کرے ورنہ محبت خام ٹھہرے گی۔ یہ کیسی محبت اور کس قسم کا پیار ہے کہ کوئی لمحہ ایسا ہو جس میں محبوب کے علاوہ کوئی دوسرا یعنی اس کا ماسوا تو یاد ہو لیکن محبوب کی یاد پس منظر میں چلی جائے یا بالکل ہی محو ہو جائے۔ اللہ سے پیار کرنے والوں کے دستور میں ایسی گھڑی کفر کی گھڑی شمار ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ (سنن ترمذی)

جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کر دی اس نے کفر کیا۔

نماز بھی اللہ کا ذکر ہی ہے۔ جب اس کا ترک کرنا کفر ٹھہرا تو اللہ والوں کے خیال میں غفلت میں گزرنے والا سارا وقت کفر ہی میں شمار ہوتا ہے۔ سلطان العارفین حضرت سلطان باھوؒ کا مشہور و معروف پنجابی کلام اس خیال کی بڑی خوبصورت عکاسی کرتا ہے:

جو دم غافل، سو دم کافر، سانوں مرشد ایہہ سمجھایا ھو
سنیا سخن، گیاں کھل اکھیں، اساں چت مولا ول لایا ھو

کیتی جان حوالے ربّ دے اساں ایسا عشق کمایا ھو

مرن تھیں اگے مر گئے باھو تاں مطلب نوں پایا ھو

مرشد نے ہمیں یہ بات خوب سمجھادی کہ جو سانس اللہ کی یاد سے غفلت میں گزر گیا وہ کفر میں گزرا۔ یہ بات سن کر ہماری آنکھیں کھل گئیں اور ہم نے ساری توجہ اللہ کی طرف لگا لی۔ اپنی جان اللہ کے سپرد کر کے عشق کی راہ پر لگ گئے۔ جب اللہ کے احکام کے مقابلے میں اپنی خواہشات سے اس طرح دستبردار ہو گئے تو گویا ہم موت سے پہلے ہی مردہ ہو گئے۔ تب مقصود حاصل ہوا۔

جو لوگ اس طرح اللہ کی محبت میں ڈوب کر اس کا ذکر کرتے ہیں ان کے لیے قرآن میں ایسا جانفزا پیغام آیا، جس سے ان کے بے چین دلوں کو قرار اور پیاسی روحوں کو تسکین ملی۔ اللہ تعالٰی نے اس عظیم نعمت کا اعلان یوں فرمایا:

فَاذْكُرُونِىٓ اَذْكُرْكُمْ (سورة البقرة: ۱۵۲)

تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔

سبحان اللہ۔ ایک بندے کے لیے اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسے اللہ تعالٰی یاد کرے اس کو پیار کا جواب پیار سے ملے۔ وہ تنہائی میں اللہ کو یاد کرے تو اللہ بھی خلوت میں اسے یاد کرے اگر وہ محفل میں اس کا ذکر کرے تو اللہ فرشتوں کی محفل میں اس کا ذکر کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی سے محبت کا تعلق قائم کرنے کا یقینی ذریعہ اللہ کا ذکر ہے۔ علم تصوف کی روح رواں ہی اللہ کو کثرت سے یاد کرنا ہے۔ اس میں پاس انفاس کا طریقہ سکھایا جاتا ہے یعنی جو سانس اندر جائے اس کے ساتھ بھی اللہ اور جو سانس باہر آئے اس کے ساتھ بھی اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اور جو لوگ اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے والے ہیں

ان کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے:

وَالـذَّاكِـرِيـنَ الـلّٰـهَ كَثِيـرًا وَّالـذَّاكِـرَاتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا (سورۃ احزاب:۳۵)

اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں کچھ شک نہیں کہ ان کے لیے اللہ نے بخشش اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر سے غافل ہو جانے والوں کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّـذِيْـنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ (سورۃ المنافقون: ۹)

اے ایمان والو تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرنے پائیں۔ جو لوگ ایسا کریں گے وہی خسارے میں ہیں۔

روح کی غذا:

ہر مسلمان اس بات سے آگاہ ہے کہ انسان روح اور جسم دو چیزوں سے مرکب ہے۔ جسم مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور اس کی خوراک اور آرام و آرائش کا سارا سامان مٹی ہی سے حاصل کیا جاتا ہے۔ لیکن روح ''امر ربّ'' ہے اس لیے اس کا رزق زمین سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کی غذا ''ذکر ربّ'' ہے۔ جس طرح انسانی جسم غذا کے بغیر کمزور اور لاغر ہو جاتا ہے اور اگر طویل عرصے تک غذا سے محروم رہے تو موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے اسی طرح روح کا حال ہے وہ بھی اللہ کے ذکر کے بغیر مر جاتی ہے۔ سورہ یٰسین میں ارشاد ہوا ہے:

لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِيْنَ (سورۃ یٰسین: ۷۰)

ہم نے اپنا رسول اس لیے بھیجا تاکہ اسے تنبیہ کرے جو زندہ ہے اور کافروں پر

قول ثابت ہو جائے۔

اس سے مراد روح کی زندگی ہی ہے۔مطلب یہ ہے کہ جس کی روح میں اللہ کی یاد کی ذرا سی رمق بھی باقی ہے۔وہ ایمان لے آئے تو ایسا ہی ہوگا جیسے ایک ٹمٹماتے ہوئے چراغ کو دوبارہ تیل کی غذا عطا ہو جائے۔اس کی تصدیق گزشتہ صفحوں میں رقم کی گئی حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے۔جس میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کا ذکر کرنے والا مثل زندہ کے ہے اور نہ کرنے والا مثل مردہ کے۔اس سے معلوم ہوا کہ حقیقی حیات یہ ہے کہ جسم اور روح دونوں زندہ ہوں اور کامل ترین نظام حیات وہی ہے جو جسمانی اور مادی ضروریات کی کفالت کے ساتھ ساتھ روحانی تقاضوں کو بھی بطریق احسن پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔صرف مادی زندگی پر فدا ہونے والوں اور روحانی زندگی کی غذا یعنی اللہ کے ذکر سے کنارہ کشی کرنے والوں کے بارے میں قرآن حکیم میں یہ نازل ہوا:

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیَاۃَ الدُّنْیَا

(سورۃ النجم: ۲۹)

جو ہمارے ذکر سے روگردانی کرے اور صرف دنیا ہی کی زندگی کا خواہاں ہو اس سے آپ منہ پھیر لیجیے۔

جس طرح فرد کی زندگی دل کی زندگی پر منحصر ہے اسی طرح قوموں کی زندگی کا دارو مدار بھی روحانیت کے ارتقاء پر ہے کیوں کہ قومیں فرد ہی کا مجموعہ ہوتی ہیں۔دلوں کی زندگی کے بارے میں علامہ محمد اقبالؒ ضرب کلیم میں فرماتے ہیں:

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ

دل اللہ کے ذکر اور فیضان الٰہی سے زندگی پاتے ہیں۔ جو قومیں صرف دنیوی زندگی کو مانتی ہیں اور آخرت کی قائل نہیں ہوتیں اور صرف مادی جسم کی آسائش اور آرائش ہی ان کا منتہائے مقصود ہوتا ہے ان کا آشیانہ نازک ہوتا ہے اور ان کی قومی زندگی نہایت مختصر ہوتی ہے۔ایسی تہذیبیں پانی کے بلبلوں کی طرح ابھرتی اور مٹتی رہتی ہیں۔ان سے کبھی بھی یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ کسی پائیدار تمدن کو وجود میں لا سکیں۔علامہ محمد اقبالؒ نے فرمایا:

جو قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

(بال جبریل)

جب انسان فیضان سماوی اور وحی الٰہی سے منہ موڑ کر عقل و خرد کو اپنا امام بنالیتا ہے تو وہ مادی آسائش کے لیے ہزارہا سامان تخلیق کر سکتا ہے وہ اپنی سہولت کے لیے سینکڑوں نئی ایجادات کر سکتا ہے لیکن انسانی زندگی سے جور و جبر اور ظلم و استبداد کا خاتمہ کر کے اسے روحانی انبساط اور کیف و سرور سے آشنا نہیں کر سکتا۔مادہ پرست معاشرے میں دولت اور سہولتوں کی فراوانی خوشیوں اور مسرتوں میں اضافہ کرنے کی بجائے ذہنی پریشانی اور روحانی کرب کا باعث بنتی ہے۔اس قوم کو رات کی نیند کی خاطر ٹنوں کے حساب سے خواب آور گولیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔اس سوسائٹی میں دل کے امراض،خودکشی،جنسی تشدد،مار دھاڑ اور طلاقوں کی رفتار میں اضافہ بے قابو ہوتا چلا جاتا ہے۔بقول علامہ محمد اقبالؒ:

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا

آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

(ضرب کلیم)

انسان کی فلاح اللہ کی محبت اور روحی کی اتباع میں ہے۔خدا کے عشق کو اپنا امام اور عقل وخرد کو اپنا غلام بنانے میں ہے۔اللہ کے ذکر کو اپنانے میں ہے،جس سے روح کو قوت اور ذہن کو جلا ملتی ہے؛ جو بھی قوم اس دستور حیات کو اپنا لے گی وہ زندگی کے ہر شعبہ میں اس طرح آگے بڑھے گی کہ اقوام عالم کی قیادت انہی کے قدموں میں ہوگی۔روح اللہ کے ذکر کے ذریعے سے براہ راست اللہ کی ذات سے فیضان حاصل کرتی ہے۔قرآن میں آتا ہے کہ اللہ تمہیں زمین اور آسمان سے رزق پہنچاتا ہے۔ممکن ہے آسمان سے آنے والے رزق سے مراد یہ فیضان الٰہی ہی ہو۔یعنی خاکی جسم کی غذا خاک سے اور روح کی غذا عالم پاک سے آتی ہو۔علامہ محمد اقبالؒ نے بھی آسمانی غذا کے علاوہ ایک دوسرے رزق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بالِ جبریل میں فرمایا:

کیا میں نے اس خاکداں سے کنارا
جہاں رزق کا نام ہے آب و دانہ

تزکیہ اخلاق اور تصفیہ قلب:

انسان کی اصل حقیقت کا پتہ اس کی شکل وصورت اور ظاہری اخلاق واطوار سے ہرگز نہیں لگایا جا سکتا بلکہ انسان کے دل میں جو جذبات اٹھتے ہیں اور جس قسم کے خیالات اس کے ذہن کو گھیرے رہتے ہیں وہ اس کی حقیقی شخصیت کی عکاسی کرتے ہیں۔ایک انسان کے ظاہری

اقوال وافعال کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں ان کی اصلی قدر و قیمت کا تعین اس کی نیت سے کیا جائے گا اس لیے حقیقی اصلاح کا تعلق انسان کے اندر ہی سے ہے۔ منافقین کے لیے اللہ نے بڑی سخت سزا کی وعید سنائی ہے حالانکہ وہ نماز کے پابند اور ہر لحاظ سے مسلمان دکھائی دیتے تھے۔ کسی بزرگ سے جب پوچھا گیا کہ تقویٰ کی انتہا کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ”تقویٰ کی انتہا یہ ہے کہ حالت خواب میں بھی گناہ سرزد نہ ہو“ یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا جذبہ شعور سے گزر کر لاشعور کی گہرائیوں میں رچ بس جائے۔ اللہ تعالیٰ ظاہری صورتوں کو اہمیت نہیں دیتا بلکہ دلوں کو نظر میں رکھتا ہے اس لیے اللہ کے قرب کے حصول کے لیے ظاہری عبادت کی پابندی کے ساتھ نیت کی درستی، نفس کا تزکیہ اور قلب کی صفائی نہایت ضروری ہے تا کہ خشوع وخضوع، عجز وحلم مخلوق خدا سے محبت، احسان وایثار، عفوودرگزر، صبر و قناعت، رحم وکرم، توکل علی اللہ اور تبتل الی اللہ جیسی خوبیاں پیدا ہو جائیں یہی تزکیہ ہے کہ معائب دور ہو کر محاسن پیدا ہو جائیں۔ سورت اعلیٰ میں ارشاد ہوا:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی۔ وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی (سورۃ الاعلیٰ: ۱۵-۱۴)

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کیا۔ اپنے ربّ کے نام کا ذکر کیا اور نماز ادا کی۔

تصوف کا بھی یہی مقصود ہے کہ ایمان لانے اور ابدی حقیقتوں کا زبان سے اقرار کر لینے کے بعد قلب ونگاہ کی پاکیزگی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جائے تا کہ حضوری والی نماز ممکن ہو سکے۔ علامہ محمد اقبالؒ بال جبریل میں فرماتے ہیں:

علم کا مقصود ہے پاکی عقل و خرد
فقر کا مقصود ہے عفت قلب و نگاہ

قلب ونظر کی پاکیزگی کی اہمیت مزید واضح کرنے کے لیے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

(ضرب کلیم)

حضورﷺ کی بعثت اور تزکیہ نفس:

قرآن کریم میں رسول اللہﷺ کی بعثت کا مقصد چند مقامات پر بیان ہوا ہے۔اس میں آپ کا عظیم منصب تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔پہلا اللہ کی آیات کی تلاوت، دوسرا تزکیہ باطن،اور تیسرا کتاب وحکمت کی تعلیم پر مشتمل ہے۔چنانچہ سورۃ آل عمران ملاحظہ ہو:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ (سورۃ آل عمران: ۱۶۴)

بے شک اللہ نے احسان فرمایا مومنین پر کہ انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جوان پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے اوران کا تزکیہ کرتا ہے اوران کو کتاب وحکمت سکھاتا ہے اوراس سے قبل تو وہ کھلی گمراہی میں تھے۔

اس کے علاوہ سورۃ القمر آیت نمبر ۱۵،اور سورۃ جمعہ آیت نمبر ۲ میں انہی الفاظ میں حضور نبی کریمﷺ کے منصب رسالت کا ایک اہم فریضہ جس کا ذکر کتاب وحکمت کی تعلیم سے پہلے کیا گیا ہے مومنین کا تزکیہ کرنا ہے۔یہ مبارک اور عظیم کام روحانی فیض اور توجہ سے کیا گیا۔حضورﷺ کے فیض صحبت ہی کے طفیل صحابہ کرام کا اس طرح تزکیہ ہوا اور وہ ایمان کامل کے اس درجہ تک پہنچ گئے کہ اس مبارک گروہ کو اللہ کی طرف سے خیر الامت کا خطاب اور رضی اللہ عنہم ورضوعنہ کی سند عطا ہوئی۔جن صحابہ پر حضور کی نظر کیمیا زیادہ رہی اور وہ طویل عرصہ تک

اس نعمت سے مستفید ہوئے انہوں نے اسی لحاظ سے بلند مراتب پائے اور صحابہ کبار کہلوائے اس خیر القرون دور میں ہر وہ خوش بخت صاحب ایمان جو حضور رحمۃ للعالمینﷺ کے دیدار سے مشرف ہوا صحابہ کی صف میں شامل ہو گیا۔ حضور خیر الانامﷺ کی ایک نظر اور چند لمحوں کی صحبت نے وہ کام کیا اور ایسا مقام عطا فرما دیا کہ بعد میں آنے والے اس پر صرف رشک کر سکتے ہیں لیکن اسے پا نہیں سکتے۔ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض نے اہل ایمان کے دلوں کا زنگ دور کر کے اور انہیں پاک وصاف کر کے ان پر اللہ کا رنگ اس طرح چڑھا دیا جو کسی دوسرے طریقہ سے ممکن ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں ان اوراد واذکار کا اہتمام نہیں تھا۔ جو موجودہ زمانے میں فقیری کے سلسلوں میں کرائے جاتے ہیں۔ انہیں اس کی ضرورت نہیں تھی کیوں کہ حضورﷺ کی صحبت سے اللہ کی محبت کچھ اس طرح دلوں میں گھر کر جاتی تھی کہ وہ اللہ کو بھول ہی نہ سکتے تھے۔ ان کا اٹھنا بیٹھنا اور جینا مرنا اللہ کے لیے ہو جاتا اور ہر قول، فعل اور حرکت میں اللہ کی رضا ہی ان کا مقصود بن جاتی:

تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا (سورة الفتح: ۲۹)

انہی کی شان میں نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات مزید بلند فرمائے اور ان کی روشن مثالوں سے ہمارے کردار کی ظلمت دور فرمائے۔ آمین!

صحبت اولیاء وصلحاء:

حضورﷺ کے وصال کے بعد آپﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ اور پھر ان کے تربیت یافتہ تابعین کی صحبت سے تزکیہ باطن اور روحانی فیض رسانی کا کام احسن طریقے سے چلتا رہا۔ ان مبارک ہستیوں کے اس کار خیر کو آگے بڑھانے کا کام بعد میں آنے والے علماء حق نے سنبھالا کیوں کہ وہی انبیاء کے وارث ٹھہرے۔ انہوں نے حضورﷺ کے پورے مشن کو سنبھالا

اور اسے کامل صورت میں آگے بڑھایا۔ وہ گویا صوفی عالم تھے۔انہوں نے جہاں اللہ کی آیات بیان کیں اور کتاب وحکمت کی تعلیم دے کر عقائد، ظاہری عبادات اور معاملات کو درست رکھا وہاں دلوں کا تصفیہ اور اخلاق کا تزکیہ کرنے کی مبارک سنت کا کام بھی جاری رکھا انہوں نے شریعت وطریقت، فقہ وفقر اور علم وعرفان میں تفریق پیدا نہیں کی بلکہ ایمان کی تکمیل کے لیے ایک دوسرے کو لازم وملزوم جانا اور اس کی تعلیم دی اور تربیت بھی کی۔بعد کے ادوار میں جب آہستہ آہستہ صفائے باطن کو ترک کر کے صرف ظواہر کی پابندی ہی کو مقصود بنالیا گیا۔ جب اذانوں سے روح نکال لی گئی۔ جب فلسفہ رہ گیا اور تلقین غزالی نہ رہی۔ جب اللہ اور اس کے رسول کے عشق کی آگ بجھ گئی تو مسلمان راکھ کا ڈھیر بن گیا۔ جسے زمانے کی ہوائیں جدھر چاہتی ہیں اڑاتی پھرتی ہیں۔اب بقول علامہ محمد اقبالؒ حال یہ ہے:

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری
رہا صوفی، گئی روشن ضمیری
خدا سے پھر وہی قلب و نظر مانگ
نہیں ممکن امیری بے فقیری

(بال جبریل)

اس دور میں بھی اگر چہ اسلام کا ظاہری ڈھانچہ اپنی اصلی صورت میں قائم ہے۔ الحمدللہ! مسجدیں آباد ہیں۔ماہِ رمضان تو دین کی بہار کا موسم ہوتا ہے اور حج کے امیدواروں کی تعداد اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ حکومتیں سنبھال نہیں سکتیں۔باوجود ازیں مسلمانوں کی جو حالت ہے اور اقوام عالم میں جو حیثیت ہے وہ عیاں ہے۔وجہ صرف ایک ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے عشق کا فقدان اور دنیا کی محبت کا غلبہ۔مسلمانوں کی اس حالت پر بالِ جبریل

میں علامہ محمد اقبالؒ مرثیہ خواں ہیں:

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے
وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

جس طرح صحابیت کے شرف کا مدار حضور نبی کریم ﷺ کے دیدار پر تھا اسی طرح روحانی فیض حاصل کرنے اور عشق کی آگ روشن کرنے کے لیے کسی استاد معلم یا مرشد سے بالمشافہ ملاقات ہونا اور کچھ عرصہ ان کی صحبت میں بسر کرنا ضروری ہے۔ اللہ کے طالبوں اور راہ محبت کے سالکوں کے لیے کسی مرد کامل کی صحبت اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ مولانا روم کے اس مشہور شعر سے ہر کوئی واقف ہے:

یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

یعنی اولیاء اللہ کی مجالس میں بسر کیا جانے والا تھوڑا سا زمانہ باطن میں وہ انقلاب برپا کر دیتا ہے جو اپنے طور پر ادا کی جانے والی برسوں کی عبادت سے ممکن نہیں۔

اولیاء اللہ جس قوت سے باطن کا تزکیہ کرتے ہیں وہ حضور خاتم النبیین رحمۃ للعالمین ﷺ کی امانت ہے اور سینہ بہ سینہ چلی آ رہی ہے۔ اسے جذب کی قوت بھی کہا جاتا ہے۔ جب تک جذب کی چنگاری کسی اللہ والے کے سینے سے عطا نہ ہو اللہ کی محبت کی آگ سلگ نہیں سکتی۔ حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں:

کیہ ہویا جے راتیں جاگیں جے مرشد جاگ نہ لائی ھو

یعنی مرشد اور راہبر کے فیض کے بغیر تجھے راتوں کو جاگ کر عبادت کرنا بھی فائدہ نہیں دے گا۔ گھی دودھ کے اندر ہی پوشیدہ ہے لیکن دودھ میں مدھانی چلا کر براہ راست اسے حاصل کرنے کی کوشش رائیگاں جائے گی۔ درست طریق کار یہی ہے کہ کوئی جاننے والا پہلے اسے دہی کی جاگ لگائے جو سارے دودھ کی ماہیت بدل کر اسے دہی میں تبدیل کر دے۔ اس کے بعد مجاہدے کی مدہانی چلائے تو مقصود ہاتھ آ سکے گا۔ ایک چراغ جو صحیح و سالم ہو لیکن وہ خود بخود روشن نہیں ہو سکتا جب تک اسے کسی ''روشن چراغ'' سے ملایا نہ جائے۔ اسی طرح ایک عام لوہے کے ٹکڑے میں مقناطیسیت پیدا کرنے کے لیے دوسرے مقناطیس کا توسل اور قرب لازمی ہے جو اس کے باطن میں غیر مرئی تبدیلی کر کے اسے بھی مقناطیس بنا دے۔ اسی طرح نفوس قدسیہ کی صحبت اور توجہ دوسرے نفوس میں جو روحانی قوت پیدا کرتی ہے وہ ایک عجیب و غریب اور حیران کن حقیقت ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ نے اس جذب کی قوت کا ذکر اور اس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے بال جبریل میں فرمایا:

اک شرع مسلمانی اک جذب مسلمانی
ہے جذب مسلمانی سر فلک الافلاک
اے رہرو فرزانہ بے جذب مسلمانی
نے راہ عمل پیدا نے شاخ یقیں نمناک

اس قوت جذب کے کھو جانے ہی سے اللہ پر ایمان کمزور پڑ گیا۔ سینوں میں اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کے عشق کی آگ سرد پڑ گئی۔ نہ مومن رہا نہ مومن کی وہ نگاہ رہی جس سے سینوں کے اندر دھڑکنے والے دل لرز جاتے تھے اور جو دوسروں کی تقدیر بدل کر رکھ دیتی تھی۔ وہ مومن جو کبھی خود تقدیر یزداں اور اللہ کا ہاتھ تھا غیروں کے ہاتھ میں ان کا آلہ کار بن گیا اور وہی اس کی قسمت کے فیصلے کرنے لگے:

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

(بانگِ درا)

جس قوم کے ارادوں سے فطرت کے مقاصد کا پتہ چلتا تھا وہ آہستہ آہستہ بے عمل ہوتی چلی گئی اور سوگئی بلکہ مردہ ہوگئی اور اسلام صرف کتاب اللہ میں باقی رہ گیا۔ جب زوال آیا تو زندگی کا ہر پہلو اس سے متاثر ہوا۔ مسلمان ہر شعبے میں پیچھے رہ گئے اور دوسری قومیں جنہوں نے علم کی روشنی مسلمانوں سے حاصل کی اور اسلامی زندگی کے حیات بخش اصولوں کو اپنالیا وہ فطرت کی طاقتوں کو مسخر کر کے مسرت و شادمانی کی زندگی بسر کر رہی ہیں اور اقوام عالم کی سیادت وقیادت انہی کے ہاتھ میں ہے اور جس قوم کے پر اسرار غازی ذوق خدائی کے حامل تھے آج ان کے ہاتھ میں کشکول گدائی ہے۔ حکیم الامت کی تشخیص ملاحظہ ہو:

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج دل پریشاں سجدہ بے ذوق
کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے

اس جذب اندروں کے حصول کے لیے کسی مرد درویش سے تعلق پیدا کرنا لازمی ہے تا کہ دلوں میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عشق کی آگ بھڑک اٹھے جو مال و دولت کی محبت کے بت اور متاع غرور کے خس و خاشاک کو جلا کر راکھ کر دے۔ ہر مسلمان کا تعلق حضور ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے کثرت ذکر کے ذریعے اللہ کے ساتھ مستحکم ہو جائے اور حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کے مشن کو دنیا میں پھیلانے اور انسانیت کو ہر نوع کی غلامی اور استحصال سے نجات دلا کرامن و آشتی کا گہوارہ بنانے کی تمنا سینوں میں بیدار ہو جائے۔

شیخ سلسلہ قبلہ محمد یعقوب خان صاحب کا سالانہ تبلیغی دورہ ملتان

(سید محمد علی شاہ ایڈووکیٹ)

شیخ سلسلہ توحیدیہ قبلہ بابا جی محمد یعقوب توحیدی نے مورخہ 10 اپریل 2025 بروز جمعرات کو سالانہ تبلیغی دورہ کا ملتان سے آغاز فرمایا۔ آپ اپنے مجازین کرام محمد ریاض اور محمد شفیق صاحبان کے ہمراہ 5 بجے شام کو سید محمد امین شاہ صاحب ایڈووکیٹ مرحوم کے دولت کدہ تشریف لائے، جہاں اُن کے فرزندان اور دیگر مریدین نے پرتپاک استقبال کیا۔ نمازِ مغرب کے بعد محفل ذکر منعقد ہوئی، جس کے بعد مریدین اور دیگر احباب نے فرداً فرداً شرفِ ملاقات حاصل کیا۔ حال و احوال معلوم کئے۔ حلقہ ذکر کے بعد بابا جی نے محمد شفیق صاحب سے فرمایا کہ وہ بھائیوں سے گفتگو کریں!! اس پر آپ گویا ہوئے کہ قرآن پاک میں اللہ نے انسان کی تخلیق کا مقصد واضح کیا اور فرمایا: ''اور میں نے جن و انسان کو صرف اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے۔''

تصوف میں ''عبادت'' کا مفہوم صرف ظاہری عبادات (نماز، روزہ) تک محدود نہیں، بلکہ اس کا اصل مقصد اللہ کی معرفت ہے۔ کائنات کی ہر چیز، سورج، چاند، پانی، ہوا، زمین انسان کی خدمت پر مامور ہے لیکن انسان خود اللہ کی محبت و معرفت کیلئے پیدا کیا گیا ہے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ یہ سلسلہ محض ایک روایتی، موروثی رسمی خانقاہی سلسلہ نہیں بلکہ ایک زندہ روحانی تحریک ہے، جو باطن کی اصلاح، قلب کی بیداری اور معرفت الٰہی کو اپنا مقصد بنائے ہوئے ہے۔ آج بہت سے سلاسل محض رسوم و روایتی خانقاہی

نظام، ظاہری وردووظائف تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں ایسے میں سلسلۂ توحیدیہ ایک نئے شعور ،نئی جہت اور اصل سلوک کی طرف بلاتا ہے اور سلوک کا راستہ یہی سکھاتا ہے کہ انسان محض دنیا کمانے یا وقت گزارنے کیلئے پیدا نہیں ہوا بلکہ اس کا اصل کام اپنے ربّ کو پہچاننا، اس کی محبت میں فنا ہونا اور اس کا قرب حاصل کرنا ہے۔شفیق صاحب نے اس بات پر زور دیا کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے مقصدِ زندگی کو سمجھے،محض دنیا کی ظاہری چمک میں نہ کھو جائے بلکہ سلوک، ذکر اور تربیت کے ذریعہ اللہ کا بندہ بنے جو اصل شرفِ انسانیت ہے۔بابا جان نے شفیق بھائی کی گفتگو کو سمیٹا اور توجیح بیان کی اور بھائیوں کے مسائل اور ان کے حل کیلئے شرعی تدابیر بتائیں۔بات چیت کا سلسلہ جاری رہا اور بابا جی نے ضیافت اور رات کا قیام سید امین شاہ صاحب مرحوم کے گھر گوجرانوالہ سے آئے مہمان بھائیوں کے ساتھ فرمایا۔اگلی صبح پر تکلف ناشتے کے بعد بابا جی دین پور کے مریدین کے ہمراہ بھائی سعید کے گھر تشریف لے گئے جہاں خواتین کی خاصی تعداد موجود تھی بابا جی نے خواتین کی محفل ذکر کے اختتام پر نہایت محبت بھرے اور دردآمیز لہجے میں تلقین فرمائی اور اللہ تعالی کی سچی محبت دل میں راسخ کرنے، اس میں اضافہ کرنے اپنی زندگی کو اسی محبت کے تابع کرنے کی ترغیب دی۔آپ کی گفتگو نے دلوں کو گرمایا، اور بہت سی آنکھیں نم ہو گئیں۔ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ہر لفظ دل کے نہاں خانوں کو جھنجھوڑ رہا ہو۔

بعد ازاں سعید بھائی کے گھر میں خوب نشست جمی ، دن بھر ملاقاتوں اور روحانی مشوروں کا سلسلہ جاری رہا،شجاع آباد ولسوڑی حلقہ کے مریدین بھی حاضر خدمت ہوئے نماز جمعہ قریبی جامعہ مسجد میں ادا کی گئی۔وہاں سے اکرم صاحب کے گھر چلے گئے وہاں پر محمد اکرم صاحب نے مریدین و جملہ احباب کے لیے پُرتکلف ضیافت کا انتظام کیا وہاں پر کچھ دیر بابا جی نے آرام فرمایا اور پھر واپس سعید صاحب کے گھر پر آ گئے جہاں پر بعد نماز مغرب حلقہ

ذکر ہوا جس میں کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی جس میں شجاع آباد، لسوڑی، ملتان کے مریدین واحباب نے شرکت کی، حلقہ ذکر فہد بخاری بھائی نے کرایا جب کہ عابد کبیر شاہ نے سلسلہ کی تعلیمات پر روشنی ڈالی اور باباجی نے سلسلہ کی تعلیمات سے متعلق نصیحتیں فرمائیں اور اللہ کی محبت کو بڑھانے، ذکر میں دوام اور اخلاص پیدا کرنے کی خصوصی ترغیب دی اور آخر میں دعا کرائی اس کے بعد نماز عشاء طعام کا انتظام ہوا اور پھر مریدین و دیگر احباب نے باباجی سے ملاقات کی اور گفتگو فرمائی، اس کے بعد باباجی نے دین پور کے حلقہ والوں سے اجازت لی اور حمزہ بھائی اور اسامہ بھائی کے گھر کی طرف روانہ ہوئے باباجی، حمزہ بھائی، محمد علی شاہ، محمد ریاض بھائی اور شفیق بھائی اکٹھے روانہ ہوئے حمزہ بھائی کے گھر چوک کمہاراں والا تشریف لے گئے جہاں قیام فرمایا۔

اگلی صبح محترم اسد دلشاد (والدِ گرامی حمزہ اسد اور اسامہ اسد) نے اپنے دیگر احباب کے ساتھ شاندار ناشتہ کا اہتمام کیا جس میں کئی احباب اور مریدین سلسلہ نے شرکت کی۔ ناشتہ کے بعد مریدین سے گفتگو فرمائی اور مختصر وقت کیلئے خواتین کو بھی نصیحت آمیز کلمات سے فیض پہنچایا۔ یہ تبلیغی سفر روحانی برکات، محبت، ذکر و فکر اور سلسلہ کی تعلیمات کے عملی مظاہر سے بھرپور رہا۔ ملتان کے مریدین نے باباجی کو لسوڑی کیلئے 10 بجے دن کو رخصت کیا۔

مورخہ 12 اپریل 2025 بروز ہفتہ کو سلسلہ توحیدیہ کے روحانی پیشوا باباجی قبلہ محمد یعقوب صاحب اپنے تبلیغی و اصلاحی دورے پر ملتان کے نواحی گاؤں لسوڑی تقریباً 1:30 بجے تشریف لائے، باباجی نے آرام فرمایا لسوڑی کے حلقہ والوں نے خادم حلقہ غلام محمد شاہ کے ہمراہ باباجی کا والہانہ استقبال کیا۔ گرم جوشی سے مصافحہ، معانقہ اور نیاز کے ماحول نے روحانیت کے رنگ کو گہرا کر دیا۔ عصر کی نماز پڑھ کر باباجی نے مریدین و دیگر احباب سے ملاقات کی۔ بعد نماز مغرب ایک روح پرور محفل ذکر منعقد ہوئی جس کو سلسلہ توحیدیہ کے مجاز

سید عابد کبیر شاہ نے لیڈ کیا۔آپ نے نہایت دل نشین انداز میں ذکر الٰہی کا اہتمام کیا۔یہ محفل ذکر محض رسمی اجتماع نہ تھی بلکہ ایک باطنی تربیت گاہ تھی۔ذکر الٰہی صرف زبان کی مشق نہیں بلکہ قلب کی زندگی اور بیداری ہے۔محفل ذکر جس میں شجاع آباد کے حلقہ والوں نے اور دیگر احباب و مریدین نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ذکر کے بعد طعام کا انتظام ہوا اور کافی دیر تک احباب باباجی سے ملاقات اور گفتگو کرتے رہے اور پھر رات کو باباجی نے لسوڑی میں قیام فرمایا۔لسوڑی میں باباجی کی تشریف آوری نہ صرف ایک روحانی اجتماع تھی بلکہ باطنی انقلاب کی دعوت تھی۔یہ محفل ایک نئی اُمید،نئی روشنی،اور سلوک کی نئی جوت جگا گئی۔اس نشست کی روحانی خوشبو دیر تک فضا میں مہکتی رہے گی اور انشاءاللہ یہاں کے باسیوں کے دلوں میں محبت الٰہی کا چراغ ہمیشہ روشن رہے گا۔

صبح ناشتہ کے بعد مورخہ 13-04-2025 بروز اتوار باباجی کی موجودگی کی خبر سن کر اہل دل اور عقیدت مند توحیدی بھائیوں کا تانتا بندھ گیا ہر چہرہ مشتاق نظر آتا تھا لوگ آتے،دعائیں لیتے اور باطنی اطمینان کے ساتھ واپس لوٹتے یہ وہ لمحے تھے جن میں دلوں کی گرہیں کھلتی ہیں روحانیت کی خوشبو فضا میں رچ بس جاتی ہے۔

بعد ازاں،باباجی نے تبلیغی سفر کے اگلے مرحلے کیلئے سید عابد کبیر شاہ کے دولت کدے کیلئے روانگی فرمائی یہ قافلہ شجاع آباد کی طرف رواں دواں ہوا،جہاں مزید اہل دل کے دلوں کو اللہ کی یاد،سلوک کی راہ،اور محبت الٰہی کا پیغام دینا مقصود تھا۔بھائی ریاض صاحب اور شفیق صاحب باباجی کی معیت میں شجاع آباد تک ساتھ رہے اور خدمت و محبت سے لبریز ہمراہی کا مظاہرہ کیا۔باباجی کی اجازت سے گجرانوالا کیلئے رخصت ہو گئے ان کی یہ رفاقت و حاضری سلوک کی راہ میں ایک خدمت و سعادت تھی جس کی جھلک ان کے چہروں اور طرز عمل سے نمایاں تھی۔

بعد نماز مغرب حلقہ ذکر عابد کبیر شاہ صاحب کے گھر پر ہوا جس میں کثیر تعداد میں

مریدین واحباب نے شرکت کی ملتان سے سعید بھائی محمد قاسم بھائی ،شہزادمحمود بخاری نے شرکت کی ذکر کے بعد باباجی نے ذکرالٰہی کی پابندی اوراس کی روحانی اہمیت پر زوردیا، آپ نے فرمایا کہ ذکرہی وہ زینہ ہے جس کے ذریعے سالک ،اللہ تعالیٰ کی قربت اورمعرفت تک رسائی حاصل کرتا ہے،محفل کاماحول پرنور،دلوں کوسکون دینے والااورایمان کوتازگی بخشنے والا تھا۔طعام کاانتظام ہوااورپھر مریدین واحباب نے باباجی سے ملاقات کی اورکافی دیرتک ملاقات کاسلسلہ جاری رہا۔پھر باباجی نے عابدکبیرشاہ صاحب کےگھر قیام فرمایا۔

14 اپریل 2025بروز سوموار ناشتہ کا اہتمام محمد علی شاہ کے گھر پر تھا جہاں مریدین اور دیگر احباب نے شرکت فرمائی۔ناشتے کے دوران بھی باباجی کی روحانی صحبت جاری رہی اورنصیحتوں کا بابرکت سلسلہ چلتا رہا آپ نے اپنی گفتگو میں ذکرالٰہی کی اہمیت پرخاص طورپر زوردیااورفرمایا کہ ذکرہی وہ بنیاد ہے جس پرسلوک کی پوری عمارت قائم ہوتی ہے اس مختصر سی ناشتہ کی مجلس نے حاضرین کے دلوں میں تازگی ،مقصد سلوک کی وضاحت اورعمل کی ترغیب پیدا کی۔پھر باباجی ملتان کے حلقہ کے مریدین کے ہمراہ تقریباً 11:00 بجے دن ملتان کیلئے روانہ ہوئے۔اورشہزادمحمود بھائی کےگھر قیام فرمایا دوپہر کا کھانا اورآرام فرمایا پھرعصر کی نماز کے بعد حافظ عبدالکریم بھائی کےگھر تشریف لے گئے وہاں پر مریدین واحباب سے ملاقات کی مغرب کی نماز کے بعد حلقہ ذکر حافظ عبدالکریم بھائی کےگھر ہوا حلقہ کے بعد باباجی نے سلسلہ کی تعلیمات پر روشنی ڈالی اورعشاء کی نماز کے بعد طعام کا انتظام ہوا کثیر تعداد میں مریدین واحباب نے شرکت کی اور باباجی کی صحبت سے مستفید ہوئے اس کے بعد باباجی نے بھائی شہزادمحمود کےگھر قیام کیا اورصبح ناشتہ کیا مردوخواتین کی خاصی تعداد موجودتھی۔اس پرکیف نشست کے دوران بعض خواتین نے انفرادی ملاقات کی درخواست کی تاکہ اپنے روحانی مسائل اوررزق کی تنگی پر دعااوررراہنمائی حاصل کرسکیں انہیں

میں ایک باوقار خاتون جنھوں نے بیعت کی خواہش کا اظہار کیا، بابا جی نے پہلے انکار کیا اور فرمایا: کم از کم چھ ماہ ذکر کرو اگر استقامت سے چل سکو تو پھر بیعت ارشاد ممکن ہے۔ یہ وہی اصول تربیت ہے جو اہل سلوک میں چلا آ رہا ہے کہ جو بغیر اہلیت کے بیعت کرے، وہ بیعت کا حق ادا نہ کر سکے گا اور جو راہِ محبت کا بار اُٹھانے کے قابل نہ ہو، اس کیلئے یہ بوجھ زحمت بن جاتا ہے۔ جب بابا جی کو علم ہوا کہ وہ خاتون تو حضرت قبلہ انصاریؒ کے مجاز، سید عطاء اللہ شاہؒ کی صاحبزادی ہیں جو میرے محسن، میرے یارِ صادق ۔۔۔ یہ انہی کی نشانی ہے، اُن کے آنگن کی خوشبو۔ یہ تو خود تربیت یافتہ ہے، ذکر کی خوگر، معرفت کی پیاسی۔ اور سلسلہ سے خوب واقف تو بابا جی کی آنکھیں نم ہو گئیں جذبات میں ڈوب گئے:"۔ پھر انہیں بیعت فرمایا، اس لمحے بابا جی پر عجیب کیفیت طاری تھی۔ دیر تک خاموش بیٹھے رہے، آنکھوں سے آنسو جاری رہے۔ یادِ دیرینہ کی یاد نے دل کو گداز کر دیا۔ وہ منظر دلوں کو چھو لینے والا تھا۔ اس روح پرور لمحے نے سلوک کی گہرائی کو پھر سے زندہ کر دیا۔ گویا بیعت صرف رسمی وعدہ نہیں بلکہ یہ ایک سلسلہ ہے جو دلوں کو یاروں سے جوڑ دیتا ہے۔ بلاشبہ بیعت اُنہی سے ہو جن سے قلبی تعلق ہو اور وہی بیعت سچی ہوتی ہے جو ذکر سے دل کو زندہ کرے۔ بابا جان کے قیامِ ملتان کا وقت تمام ہوا، وہ لمحہ آ پہنچا جس کا ذکر آتے ہی دل بوجھل ہو جاتا ہے، رخصتی کے وقت ملتان کے تو حیدی بھائی، جن کے دل روحانیت سے لبریز تھے، محبت اور ادب کے ساتھ الوداع کہنے آئے۔ ہر چہرے پر عقیدت، ہر دل میں شکر گزاری تھی، آنکھیں نم تھیں مگر دل ذکر کی حرارت سے روشن۔ ان کے چہرے، نور سے دمک رہے تھے اور دل محبت سے لبریز تھے۔ بابا جی نے فرمایا: جسم جدا ہوتے ہیں، دل نہیں، ذکر کو تھامے رکھو، یہی رابطہ قائم رکھے گا۔ اللہ والے کہیں بھی ہوں، انکی محبت دلوں کو جوڑ دیتی ہے، ذکر کو لازم پکڑو، محبت کو خراب نہ ہونے دو، یہی رابطہ باقی رکھے گا چوک اعظم سے رضوان علوی بابا جی کو لینے آ گئے بابا جی کے ہمراہ عطاء اللہ شاہ اور شہزاد محمود

بھائی روانہ ہوئے مگر روحانی فضا میں ان کے قدموں کی بازگشت، دلوں میں ان کے کلمات کی گرمی اور آنکھوں میں الوداعی آنسو باقی رہ گئے۔ اور دلوں میں اپنی محبت، نصیحت اور روحانی خوشبو چھوڑ گئے۔ مورخہ 15-04-2025 کو چوک اعظم میں ڈاکٹر الیاس بھائی کے گھر میں بابا جی نے قیام فرمایا چوک اعظم کے مریدین نے پھول نچھاور کر کے استقبال کیا حلقہ ذکر بھی ڈاکٹر الیاس بھائی کے گھر ہوا کثیر تعداد میں مریدین واحباب نے شرکت کی اور بابا جی سے ملاقات کا سلسلہ جاری رہا رات بھی بابا جی نے ڈاکٹر صاحب کے گھر قیام فرمایا:

راہِ سلوک میں ادبِ مرشد نہایت اہم اصول ہے اگر چہ پیر کامل اپنی شفقت، مزاح اور خوش طبعی سے مریدوں کے دلوں کو مسرور فرماتا ہے، لیکن سالک کو ہمیشہ حدودِ ادب میں رہنا چاہیے۔ پیر کی ظاہری قربت کبھی بھی بے تکلفی یا بے ادبی میں تبدیل نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ روحانی نسبت کا فیض ادب سے وابستہ ہے۔ بے احتیاطی یا غیر رسمی روّیہ، اگر چہ بظاہر معمولی ہو، سالک کے قلبی تعلق اور روحانی ترقی میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔ جو ادب کی راہ سے ہٹ گیا، وہ سلوک کی راہ سے بھی بھٹک گیا۔ مورخہ 16-04-2025 کو ناشتہ کے بعد بابا جی فتح پور کے حلقہ کیلئے روانہ ہوئے اور راستہ میں بعد نماز ظہر بھائی عبدالرزاق کے پُر زور اسرار پر بابا جی کے قافلہ نے عبدالرزاق بھائی کے گھر کچھ دیر قیام فرمایا جہاں پر عبدالرزاق بھائی نے پُر تکلف چائے کا انتظام کیا ہوا تھا وہاں سے روانہ ہو کر بابا جی کے قافلہ نے فتح پور کے حلقہ میں بابا ندیم بھائی کے گھر میں قیام فرمایا بابا جی کے استقبال کے بعد پُر تکلف کھانے کا انتظام ہوا اور مریدین واحباب کی آمد کا سلسلہ جاری رہا حلقہ ذکر بھی بابا ندیم بھائی کے گھر پر ہوا پُر تکلف طعام کا انتظام کیا گیا اور چائے کا انتظام جاوید بھائی کے گھر ہوا اور پھر بابا جی کا قافلہ واپس چوک اعظم کیلئے روانہ ہوا اور رات کو چوک اعظم میں ڈاکٹر الیاس بھائی کے گھر قیام ہوا اور صبح مورخہ 17-04-2025 کو ڈاکٹر صاحب کے گھر پُر تکلف ناشتہ کا انتظام کیا گیا

اور پھر بابا جی عطاء اللہ شاہ، شہزاد محمود کے ہمراہ فیصل آباد کیلئے روانہ ہوئے اور تقریباً دو پہر کو فیصل آباد کے حلقہ میں پہنچ گئے جہاں پر بابا جی کے قافلے پر پھول نچھاور کئے گئے اور جنید بھائی نے دوپہر کے کھانے کا اہتمام کیا اور پھر بابا جی کے قافلہ سے شہزاد محمود بھائی اور عطاء اللہ شاہ واپس ملتان کیلئے روانہ ہو گئے اور حلقہ ذکر فیصل آباد والے حلقہ میں ہوا اور گجرانوالہ سے ریاض بھائی اور شفیق بھائی بابا جی کو لینے فیصل آباد آ گئے اور پھر مورخہ 18-04-2025 کو بابا جی اپنے سالانہ دورہ کے اختتام پر واپس گجرانوالہ روانہ ہو گئے۔

بابا جی کا تبلیغی دورہ۔۔۔اختتام اور اثرات:

اللہ کے فضل و کرم سے شیخ سلسلہ کا روح پرور اور کامیاب تبلیغی سفر بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا، جس نے بے شمار دلوں کو منور کیا۔ اس روحانی سفر کے دوران کئی شہروں اور مقامات پر محافل ذکر، تربیتی نشستیں اور اصلاحی بیانات کا سلسلہ جاری رہا۔ عوام و خواص نے بڑی تعداد میں شرکت کی اور کئی دلوں میں اللہ کی محبت اور معرفت کی شمع روشن ہوئی، اس سفر نے سلسلہ توحیدیہ کے پیغام اخلاص و محبت، اتباع سنت اور ذکر و فکر کو مزید عام کیا۔ آخر میں بابا جی نے تمام اہل محبت کو استقامت، اخلاص اور ذکر الٰہی کی پابندی کی تلقین فرمائی۔

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد یعقوب توحیدی

نے سالانہ اجتماع 2025 سے پہلے توحیدی بھائیوں کو درج ذیل

شیڈول کے مطابق سلسلہ کی کتب کا مطالعہ کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

جولائی: تعمیر ملت

اگست : چراغ راہ

ستمبر اکتوبر: طریقت توحیدیہ، مقالات معرفت

اقبال کا تصورِ خودی اور موجودہ عالم اسلام

(شفیق احمد)

تصورِ خودی کی تعریف اور قرآنی بنیادیں:

اقبال کے فلسفہ میں خودی انسانی وجود کا مرکز

اور اس کی حقیقی شناخت ہے۔ان کے نزدیک خودی انسان کا شعوری ''میں (Self)'' ہے جو قرآن میں مذکور روح (Ruh) کے تصور سے ہم معنی ہے۔اقبال کے مطابق قرآن مجید کا بنیادی مقصد انسان میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلقات کا اعلیٰ شعور پیدا کرنا ہے۔وہ سمجھتے ہیں کہ مسلم امہ کے زوال کی وجہ اپنے وجود کی اس حقیقی شناخت سے دوری ہے۔اقبال فرماتے ہیں کہ خودی درحقیقت آدمی کو اللہ سے قریب کرتی ہے۔جیسا کہ انہوں نے فرمایا: ''اپنا آپ پہچاننا فی الفور خدا کی پہچان ہے''،یعنی اپنے نفس کو جاننا خدا کی شناسائی کا ذریعہ ہے۔

علامہ اقبال کا تصورِ خودی ان کی فکر و فلسفہ کی بنیاد ہے۔یہ تصور نہ صرف ان کی شاعری اور نثر کا مرکزی موضوع ہے بلکہ ان کے فکری نظام کا محور بھی ہے۔خودی، اقبال کے نزدیک، انسان کی داخلی قوت، شعورِ ذات، اور خدا سے تعلق کا نام ہے۔وہ انسان کو ایک "حرکی وجود (dynamic being)" سمجھتے ہیں، جو اپنی خودی کو پہچان کر کائنات پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔اقبال کے نزدیک خودی انسان کی وہ باطنی قوت ہے جو:

1. فرد کو خود شناسی کی طرف مائل کرتی ہے۔یعنی انسان اپنے آپ کو پہچانے، اپنی حقیقت کو سمجھے۔
2. انسان کو کائنات میں فعال کردار ادا کرنے کے قابل بناتی ہے۔یعنی انسان اپنی

تقدیر کا خالق بنتا ہے۔

3. روحانی ارتقا کا ذریعہ ہے۔انسان جب خودی کی تربیت کرتا ہے،تو وہ روحانی بلندیوں پر پہنچتا ہے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے، بتا تیری رضا کیا ہے

یہ اشعار اقبال کے اس تصور کو ظاہر کرتے ہیں کہ انسان تقدیر کا غلام نہیں بلکہ وہ اپنی قوتِ ارادہ، علم، عشق اور عمل سے اپنی تقدیر خود تشکیل دے سکتا ہے، بشرطیکہ اس کی خودی بیدار رہو۔

اقبال نے خودی کے مختلف مدارج بیان کیے ہیں:

1. خودی (Self): ابتدائی شعورِ ذات
2. خودآگاہی (Self-consciousness): خود کو پہچاننے کا مرحلہ
3. خودسازی (Self-development): خودی کی تربیت اور ارتقاء
4. خودفراموشی (Self-annihilation in God): جب خودی اتنی بلند ہو جائے کہ وہ خدا کی رضا میں فنا ہو جائے۔یہی "عبدیت" کا اعلیٰ مقام ہے۔

اقبال کا تصورِ خودی صرف فلسفیانہ نہیں، بلکہ اس کی جڑیں قرآنِ حکیم میں پیوست ہیں انہوں نے تصورِ خودی کو قرآنی تعلیمات سے اخذ کیا۔اقبال نے قرآن کو "کتابِ عمل" کہا اور اس کا مقصد انسان کی خودی کو بیدار کرنا بتایا۔

چند اہم قرآنی آیات جن پر تصورِ خودی کی بنیاد رکھی گئی:

1. "وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي" (القرآن، سورۃ الحجر 29:15)
"اور میں نے اس (انسان) میں اپنی روح پھونکی"

اقبال کے نزدیک یہ "روحِ الٰہی" انسان کے باطن میں وہی خودی ہے جو اس کو مقامِ خلافت تک لے جا سکتی ہے۔

2. "قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا" (القرآن، سورۃ الشمس 9:91)

"بے شک کامیاب ہوا وہ جس نے اپنے نفس کو پاک کیا"

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ نفس کی تطہیر یعنی خودی کی تربیت، انسان کو فلاح عطا کرتی ہے۔

3. "مَن عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ" (حدیث کی صورت میں معروف قول)

اقبال اس حکمت پر زور دیتے ہیں کہ "اپنے آپ کو پہچاننا" ہی خدا کو پہچاننے کی راہ ہے۔

4. "إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ" (سورۃ الرعد 11:13)

"اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلے"

یہ آیت اقبال کے اس تصور کی حمایت کرتی ہے کہ تبدیلی خودی کی بیداری سے شروع ہوتی ہے۔ اقبال کا تصورِ خودی انسان کو ایک باوقار، فعال، اور خودمختار ہستی کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اس کی جڑیں قرآن کی تعلیمات میں ہیں، جہاں انسان کو اشرف المخلوقات، خلیفۃ اللہ فی الارض، اور امانت دار کہا گیا ہے۔ اقبال کے نزدیک اگر مسلمان اپنی خودی کو پہچان لیں اور اس کی تربیت کریں تو وہ نہ صرف اپنی انفرادی زندگی بدل سکتے ہیں، بلکہ پوری امت کے عروج کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

موجودہ مسلم دنیا کی صورتِ حال اور تصورِ خودی کی افادیت:

علامہ اقبال نے جس تصورِ خودی کو پیش کیا تھا، اس کا مقصد فردِ مسلم کو غفلت، غلامی اور جمود سے نکال کر بیداری، خودمختاری اور عمل کی طرف لانا تھا۔ آج جب ہم موجودہ عالم اسلام کے سیاسی، سماجی، تعلیمی، اور فکری حالات کا جائزہ لیتے ہیں، تو اقبال کا پیغام پہلے سے

کہیں زیادہ موزوں اور ضروری محسوس ہوتا ہے۔

۱۔مسلم دنیا کی موجودہ سیاسی ومعاشی صورتِ حال:

سیاسی بحران: مسلم ممالک میں کئی ایک سیاسی بحران، آمریت، فوجی مداخلت، اور غیرملکی مداخلتوں کا شکار ہیں:

- شام، یمن، لیبیا میں خانہ جنگی جاری ہے۔
- فلسطین میں اسرائیلی مظالم مسلسل جاری ہیں۔
- افغانستان وعراق بیرونی تسلط اور اندرونی کمزوری کا شکار رہے ہیں۔
- ایران پر اسرائیلی اور امریکی جارحیت

ان تمام حالات میں مسلمانوں کو اپنی داخلی کمزوری، قیادت کی نااہلی اور قومی خودی کے فقدان کا سامنا ہے۔

معاشی زوال: مسلم دنیا کا بڑا حصہ قدرتی وسائل سے مالا مال ہے، مگر پھر بھی اکثر ممالک قرضوں، مہنگائی، اور بیروزگاری کا شکار ہیں۔

- OIC کے ممالک دنیا کی کل آبادی کا تقریباً ایک چوتھائی ہیں، لیکن ان کا عالمی معیشت میں حصہ بہت محدود ہے۔
- بیشتر مسلم ممالک میں تعلیم اور ریسرچ پر خرچ نہ ہونے کے برابر ہے۔

۲۔سماجی وتعلیمی مسائل

تعلیم کی کمی: کئی مسلم ممالک میں شرح خواندگی عالمی اوسط سے کم ہے۔

- جدید سائنسی وٹیکنیکل تعلیم کا فقدان ہے، جب کہ قدامت پرستی، رٹا سسٹم، اور تخلیقی سوچ کی کمی عام ہے۔

- طلبہ میں مقصدیت، خوداعتمادی اور تنقیدی شعور کا شدید فقدان ہے۔

سماجی بے سمتی: نوجوان طبقہ مغربی تقلید یا انتہاپسندی کی طرف جھکتا نظر آ رہا ہے۔

- خاندانی، معاشرتی اور اخلاقی اقدار کمزور پڑ چکی ہیں۔
- امت کے اندر فرقہ واریت قوم پرستی اور طبقاتی تفریق نے وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔

۳۔اس صورتِ حال میں تصورِ خودی کی افادیت:

خودی انفرادی بیداری کی کنجی: اقبال کا تصورِ خودی فرد کو اس کی خداداد صلاحیتوں، مقصدِ حیات اور روحانی طاقت سے آگاہ کرتا ہے۔

یہ تصور نوجوان کو سکھاتا ہے: اپنی حیثیت کو پہچانو۔

- تقلید کے بجائے تخلیق اور اجتہاد کی راہ اختیار کرو۔
- دنیا پر اثر انداز ہونے والا کردار اپناؤ۔

اقبال کہتے ہیں:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے، بتا تیری رضا کیا ہے

خودی قومی غیرت اور خود انحصاری کا پیغام: مسلمان جب سیاسی خودمختاری، تعلیمی خود کفالت، اور فکری آزادی کی طرف بڑھتے ہیں تو یہی خودی ان کی رہنمائی کرتی ہے۔

اقبال کا "مردِ مومن" وہ کردار ہے جو: • اللہ سے جڑا ہوا ہو، مگر دنیا میں سرگرم ہو۔

- زہد و تقویٰ کے ساتھ قیادت و جدوجہد کا حامل ہو۔
- نہ شرق کا غلام ہو، نہ غرب کا مقلد، بلکہ خودمختار اور باوقار ہو۔

اقبال کا تصورِ خودی، امت میں اتحاد، اخوت، اور مشترک مقصد کی تشکیل کرتا ہے۔

- فرقہ واریت کے بجائے امتِ واحدہ کا تصور۔
- قوم پرستی کے بجائے اسلامی عالمی برادری کی تعمیر۔
- مایوسی کے بجائے عزم، ارادہ اور جدوجہد۔

آج کا عالم اسلام بے شمار مسائل کا شکار ہے۔ سیاسی انتشار، معاشی زوال، تعلیمی پسماندگی، فکری جمود۔ لیکن اقبال کا فلسفہ خودی اس بحرانی دور میں امید کی کرن ہے۔

اقبال کا پیغام ہمیں سکھاتا ہے کہ:
- زوال کی اصل وجہ خودی کی کمزوری ہے۔
- اصل ترقی ظاہری مادی ترقی سے پہلے باطنی شعور کی بیداری سے آتی ہے۔
- نوجوانوں میں خودی کی بیداری، ملت کی بیداری کا پیش خیمہ ہے۔

اگر مسلمان آج اقبال کے تصورِ خودی کو اپنا ئیں تو وہ:
- اپنی حیثیت پہچان سکتے ہیں،
- خود پر اعتماد کر سکتے ہیں،
- اور غلامی سے نکل کر قیادت و رہبری کی طرف گامزن ہو سکتے ہیں۔

تصورِ خودی کا آج کے نوجوان، قیادت اور معاشرے کے لیے کردار:

علامہ اقبال کا تصورِ خودی فرد کے شعور، کردار، اور معاشرتی ذمہ داریوں سے متعلق ایک ہمہ جہت نظریہ ہے، جو صرف انفرادی ارتقا تک محدود نہیں بلکہ پوری ملت کی تعمیر و بیداری کا ذریعہ ہے۔ اقبال کا یقین تھا کہ مسلمان نوجوان اگر اپنی خودی کو پہچان لیں تو وہ نہ صرف اپنی تقدیر بدل سکتے ہیں، بلکہ امتِ مسلمہ کی قیادت اور اصلاح کا ذریعہ بھی بن سکتے ہیں۔

اقبال کا سب سے زیادہ اعتماد اور امید نوجوان نسل پر تھا۔ انہوں نے نوجوان کو "شاہین" سے تشبیہ دی، جو بلند پرواز، بے خوف، خوددار، اور بلند نگاہ ہوتا ہے۔

خودی نوجوان کو کیا عطا کرتی ہے:؟

• خوداعتمادی: خودی انسان کو اپنی صلاحیتوں پر اعتماد کرنا سکھاتی ہے۔

• عزم و استقلال: نوجوان زندگی کے مسائل سے بھاگنے کے بجائے ان کا سامنا کرنا سیکھتا ہے۔

• غیرتِ ایمانی: خودی انسان میں اسلامی حمیت، جذب، شہادت، اور حلال و حرام کی تمیز پیدا کرتی ہے۔

• تخلیقی سوچ: نوجوان تقلید کے بجائے اجتہاد و تجدید کے ذریعے نئی راہیں نکالتا ہے۔

اقبال نے فرمایا:

جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے
مرا عشق، میری نظر بخش دے

اقبال کے نزدیک نوجوان صرف مستقبل کا خواب نہیں بلکہ حال کی تعمیر کا ذریعہ ہے:

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

۲۔ قیادت میں خودی کا کردار: آج کی مسلم قیادت میں اکثر فیصلہ سازی کی کمزوری، عوام سے دوری، بصیرت و مقصد کا فقدان اور ذاتی مفادات کو قومی مفاد پر ترجیح دیکھنے کو ملتے ہیں۔

خودی ایسی قیادت پیدا کرتی ہے جو:

• خدا پر یقین رکھتی ہے، نہ کہ مغرب پر انحصار • عوام سے جڑی ہوتی ہے، ان پر مسلط نہیں

• فکر و عمل میں دیانت دار اور شفاف ہوتی ہے • امتِ مسلمہ کے اجتماعی مفاد کو ترجیح دیتی ہے

اقبال نے "مردِ مومن" کو ایسا قائد تصور کیا جو نرم گفتار، گرم کردار، دل سوز فقر و خودداری کا پیکر، با اخلاق اور بصیرت والا ہو۔ ایسی قیادت قوم کو بحران سے نکال کر عروج کی راہ پر ڈال سکتی ہے۔

۳۔معاشرتی سطح پر خودی کی تاثیر:

- خودی سے انسان سماج میں عزتِ نفس، نظم، اور ایمانداری کو فروغ دیتا ہے۔
- افراد جب خوددار ہوں تو وہ غلامی، کرپشن اور ظلم کے خلاف کھڑے ہوتے ہیں۔
- ایسا معاشرہ اخلاقی اقدار، انصاف، تعلیم، اور ترقی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔

اقبال کا پیغام ہمیں مغربی تہذیب کے ظاہر پرستی، سرمایہ پرستی، اور روحانی خلا سے خبردار کرتا ہے۔

خودی کا راستہ انسان کو اپنی تہذیب، دینی شناخت اور فکری آزادی سے جوڑتا ہے۔

۴۔عملی مثالیں اور عصرِ حاضر میں اطلاق:

- ترکی، ملائیشیا، انڈونیشیا جیسے ممالک جہاں تعلیم، خودانحصاری، اور قیادت نے شعورِ خودی کو جزوی طور پر اپنایا، وہ ترقی کی طرف بڑھے ہیں۔
- وہ قومیں جنھوں نے خودی کی جگہ بیرونی امداد، مغرب زدگی، یا فرقہ واریت کو اپنایا، وہ آج بھی زوال میں ہیں۔

اگر آج کا نوجوان: •اپنے آپ کو پہچان لے، •مغرب کی تقلید سے نکل آئے،

- اور خدا پر یقین کے ساتھ عمل کرے ، تو وہ ملت کی تقدیر بدل سکتا ہے۔

اقبال کے نزدیک:

خودی ہے رازِ زندگی، خودی فہمِ خدا کی راہ
خودی میں ہے مقامِ بندگی سے آگے کی منزل

تصورِ خودی کی عملی تشکیل اور اس راہ میں درپیش چیلنجز:

علامہ اقبال کا تصورِ خودی ایک نظریاتی فلسفہ نہیں بلکہ ایک عملی ضابطہ حیات ہے، جو

فرد، معاشرہ اور امتِ مسلمہ کو فعال، باوقار، خودمختار اور باعمل بنانے کی دعوت دیتا ہے۔ تاہم اس تصور کی عملی تشکیل کے لیے صرف زبانی دعوے یا نعرے کافی نہیں، بلکہ فرد اور قوم دونوں کو اندرونی و بیرونی جدوجہد کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔

ا۔تصورِ خودی کی عملی تشکیل: انفرادی سطح پر (فرد کی خودی کی تعمیر)

1. خودشناسی: سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ انسان خود کو پہچانے، اپنی صلاحیتوں، کمزوریوں، رجحانات اور مقصدِ حیات کو واضح کرے۔

2. کردار سازی (Moral Development): اقبال نے زور دیا کہ خودی کی پرورش دیانت، غیرت، سچائی، صبر، جرات، اور مستقل مزاجی سے ہوتی ہے۔

3. روحانی و فکری ترقی: اقبال کے نزدیک نماز، ذکر، فکرِ قرآنی، اور وجدان خودی کے ارتقاء کے لازمی عناصر ہیں۔

4. علم اور عمل: تعلیم، ریسرچ، مہارتیں، اور محنت، خودی کو مضبوط کرتے ہیں۔

اقبال فرماتے ہیں:

علم فطرت بھی ہے، خدمتِ حق بھی ہے
اور محبت بھی ہے، فتحِ عالم کے لیے

اجتماعی سطح پر (ملت کی خودی کی تعمیر)

1. قومی خودداری: اقتصادی خود انحصاری، خود کفیل تعلیمی ادارے، مقامی صنعتوں کی ترقی، خارجہ پالیسی میں خودمختاری۔

2. اسلامی اقدار پر مبنی نظامِ حکومت:

جہاں انصاف، مشاورت، مساوات، امانت داری اور جواب دہی ہو۔

3. جدید تعلیم + روحانیت کا امتزاج

اقبال کا تصورِ خودی صرف "روحانیت" یا "سائنس" نہیں، بلکہ دونوں کے امتزاج سے پیدا ہوتا ہے۔ جدید سائنس و ٹیکنالوجی میں مہارت، مگر اخلاقِ محمدی ﷺ سے رہنمائی۔

۴۔ تصورِ خودی کی راہ میں درپیش چیلنجز: ذہنی غلامی

- مسلم اقوام آج بھی مغرب کے فکری سانچوں، نظامِ تعلیم، ثقافتی یلغار، اور سیاسی اداروں کی اندھی تقلید میں گرفتار ہیں۔ اقبال نے کہا تھا:

"غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں"

تعلیم کا بحران: موجودہ تعلیمی نظام نہ تو شخصیت سازی کرتا ہے، نہ مقصدِ حیات سکھاتا ہے۔ نظامِ تعلیم کا مقصد صرف نوکری یا ڈگری ہے، نہ کہ خودشناسی یا قومی شعور۔

قیادت کا فقدان: امت کو ایسی قیادت کی ضرورت ہے جو صاحبِ کردار، صاحبِ علم، اور صاحبِ خودی ہو۔ بیشتر مسلم ممالک میں قیادت خاندانی، کرپٹ، یا مغربی مفادات سے جڑی ہوئی ہے۔

فرقہ واریت و انتشار: مسلمانوں کے مابین مسلکی تعصب، لسانی تعصب، اور سیاسی تقسیم نے اجتماعی خودی کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔

روحانی زوال: عبادات رسم بن چکی ہیں، دعا میں جذب نہیں، مسجد میں وحدت نہیں، قرآن سے رابطہ کمزور ہے۔ یہ سب خودی کی راہ میں رکاوٹیں ہیں۔

اقبال فرماتے ہیں:

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی!

یعنی حالات جتنے بھی مایوس کن ہوں، اگر خودی کی روح بیدار ہو جائے، تو یہی امت پھر سے عروج و قیادت کی طرف لوٹ سکتی ہے۔تصورِ خودی کی عملی تشکیل آج کے مسلمان کے لیے بقا، ترقی اور قیادت کا واحد راستہ ہے۔

یہ صرف ایک فلسفہ نہیں بلکہ عملی دعوت ہے:

- خودی پیدا کرو، خودداری اختیار کرو، خود کو پہچانو، اور دنیا کو بدل دو۔

اگر مسلمان خودی کے اس تصور کو تعلیم، سیاست، معیشت، اور روحانیت میں نافذ کر دیں، تو وہ نہ صرف اپنا ماضی دہرا سکتے ہیں بلکہ دنیا کو بھی نئی سمت دے سکتے ہیں۔

خودی کے احیاء میں رکاوٹیں اور ان کے ممکنہ حل: علامہ اقبال کے نزدیک امتِ مسلمہ کے زوال کی بنیادی وجہ خودی کی کمزوری یا موت ہے۔ جب فرد یا قوم اپنی ذات، روحانی جوہر، اور تخلیقی قوت کو بھول جائے تو وہ نہ صرف اپنی خودی سے بیگانہ ہو جاتی ہے بلکہ غلامی، جمود اور انحطاط کی شکار بھی بن جاتی ہے۔ آج کے مسلمان معاشروں میں تصورِ خودی کی احیاء (Revival) کے راستے میں متعدد فکری، تعلیمی، سماجی اور سیاسی رکاوٹیں موجود ہیں، جن کا تجزیہ اور حل اقبال کے فکر کی روشنی میں کیا جا سکتا ہے۔

رکاوٹیں: 1. مغرب کی اندھی تقلید

مسلم معاشرے مغربی ثقافت، نظامِ تعلیم، لباس، طرزِ فکر اور طرزِ حکومت کی اندھی تقلید میں مبتلا ہو چکے ہیں۔نتیجتاً اپنی دینی، فکری، اور تہذیبی شناخت کھو چکے ہیں۔

اقبال نے خبردار کیا: "تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی"

2. تعلیم کا ناقص نظام: تعلیم میں مقصدیت، کردار سازی اور فکری آزادی کا فقدان ہے۔ مدارس اور اسکولوں میں خودی کا تصور شامل نہیں، صرف رٹا، سند اور مقابلہ بازی ہے۔

3. قیادت کا بحران: مسلم دنیا میں قیادت زیادہ تر نااہل، کرپٹ، یا مغرب کی کاسہ لیس ہے۔قیادت میں قومی خودی، قربانی، اور روحانی بصیرت مفقود ہے۔

.4 فکری جمود اور تقلید پرستی: اجتہاد کا دروازہ بند سمجھ لیا گیا ہے۔ عوام کو مسلکی جھگڑوں، رسوم، اور روایتی نظریات میں الجھا دیا گیا ہے۔

.5 روحانیت سے دوری: اللہ سے تعلق رسمی رہ گیا ہے؛ عبادات روح سے خالی ہو چکی ہیں دین کو صرف ظاہری اعمال تک محدود کر دیا گیا ہے، جب کہ خودی کا اصل تعلق روحانی بالیدگی سے ہے۔

ممکنہ حل: اقبال کی روشنی میں

.1 قرآنی تعلیم کو مرکزی حیثیت دینا: قرآن انسان کو اس کی اصل پہچان سکھاتا ہے خلیفۃ اللہ فی الارض۔ خودی کی بیداری کا پہلا زینہ قرآن کی فہم اور عملی پیروی ہے۔ "قرآن کا آئینہ اپنے سامنے رکھو؛ اپنے اعمال کا توازن قائم کرو"۔ اقبال۔

.2 نصابِ تعلیم میں خودی کا شامل ہونا: تعلیم صرف ہنر یا روزگار کی تیاری نہیں، بلکہ کردار سازی اور مقصدِ حیات کی وضاحت ہونی چاہیے۔ اقبال کے کلام کو تعلیمی نصاب کا حصہ بنانا اور طلبہ میں خودی، اجتہاد، اور استقلال کا جذبہ پیدا کرنا ضروری ہے۔

.3 روحانی تربیت اور اخلاقی شعور: نوجوانوں میں عبادات کی روح، اللہ سے تعلق، اخلاص، دیانت، اور خود احتسابی پیدا کی جائے۔ تزکیہ نفس کو شخصی تربیت کا بنیادی حصہ بنایا جائے۔

.4 قیادت کی اصلاح اور نئے رہنما تیار کرنا: قیادت میں خودی، قربانی، دیانت، دور اندیشی، اور عزم ہونا چاہیے۔ ایسے نوجوان تیار کیے جائیں جو سیاست، معیشت، تعلیم اور قانون میں اقبال کے "مردِ مومن" بن کر ابھریں۔

.5 اجتماعی بیداری اور وحدتِ ملت: فرقہ واریت، لسانیت اور گروہی نفرتوں سے بلند ہو کر ملتِ واحدہ کی تشکیل کی جائے۔ امت کو قومی خودداری، باہمی اخوت اور اجتماعی مقاصد کی طرف متوجہ کیا جائے۔

انسان زمینی مخلوق نہیں ہے۔

(ایک چونکا دینے والی دلائل بھری تحریر)

(ڈاکٹر ایلیس سِلور)

امریکی ایکولوجسٹ ڈاکٹر ایلس سِلور کی تہلکہ خیز ریسرچ سے ارتقاء (Evolution) کے نظریات کا جنازہ اٹھ گیا:

ارتقائی سائنسدان لاجواب: انسان زمین کا ایلین ہے۔

ڈاکٹر ایلیس سِلور (Ellis Silver) نے اپنی کتاب (Humans are not from Earth) میں تہلکہ خیز دعویٰ کیا ہے کہ انسان اس سیارے زمین کا اصل رہائشی نہیں ہے بلکہ اسے کسی دوسرے سیارے پر تخلیق کیا گیا اور کسی وجہ سے اس کے اصل سیارے سے اس کے موجودہ رہائشی سیارے زمین پر پھینک دیا گیا۔

ڈاکٹر ایلیس جو کہ ایک سائنسدان محقق مصنف اور امریکہ کا نامور ایکالوجسٹ (Ecologist) ہے اس کی کتاب میں اس کے الفاظ پر غور کیجیے۔

ذہن میں رہے کہ یہ الفاظ ایک سائنسدان کے ہیں جو کسی مذھب پر یقین نہیں رکھتا۔

اس کا کہنا ہے کہ انسان جس ماحول میں پہلی بار تخلیق کیا گیا اور جہاں یہ رہتا رہا ہے وہ سیارہ، وہ جگہ اس قدر آرام دہ پرسکون اور مناسب ماحول والی تھی جسے وی وی آئی پی کہا جا سکتا ہے وہاں پر انسان بہت ہی نرم و نازک ماحول میں رہتا تھا اس کی نازک مزاجی اور آرام پرست طبیعت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے اپنی روٹی روزی کے لیے کچھ بھی تردد نہیں کرنا پڑتا تھا، یہ کوئی بہت ہی لاڈلی مخلوق تھی جسے اتنی لگژری لائف میسر تھی۔

وہ ماحول ایسا تھا جہاں سردی اور گرمی کی بجائے بہار جیسا موسم رہتا تھا اور وہاں پر

سورج جیسے خطرناک ستارے کی تیز دھوپ اور الٹرا وائلیٹ شعاعیں بالکل نہیں تھیں جو اس کی برداشت سے باہر اور تکلیف دہ ہوتی ہیں۔تب اس مخلوق انسان سے کوئی غلطی ہوئی۔اس کو کسی غلطی کی وجہ سے اس آرام دہ اور عیاشی کے ماحول سے نکال کر پھینک دیا گیا تھا۔جس نے انسان کو اس سیارے سے نکالا لگتا ہے وہ کوئی انتہائی طاقتور ہستی تھی جس کے کنٹرول میں سیاروں ستاروں کا نظام بھی تھا۔وہ جسے چاہتا،جس سیارے پر چاہتا،سزا یا جزا کے طور پر کسی کو بھجوا سکتا تھا۔وہ مخلوقات کو پیدا کرنے پر بھی قادر تھا۔

ڈاکٹر سلور کا کہنا ہے کہ ممکن ہے زمین کسی ایسی جگہ کی مانند تھی جسے جیل قرار دیا جاسکتا ہے۔یہاں پر صرف مجرموں کو سزا کے طور پر بھیجا جاتا ہو۔کیونکہ زمین کی شکل،کالا پانی جیل کی طرح ہے۔خشکی کے ایک ایسے ٹکڑے کی شکل جس کے چاروں طرف سمندر ہی سمندر ہے،وہاں انسان کو بھیج دیا گیا۔

ڈاکٹر سلور ایک سائنٹسٹ ہے جو صرف مشاہدات کے نتائج حاصل کرنے کے بعد رائے قائم کرتا ہے۔اس کی کتاب میں سائنسی دلائل کا ایک انبار ہے جن سے انکار ممکن نہیں۔ اس کے دلائل کی بڑی بنیاد جن پوائنٹس پر ہے ان میں سے چند ایک ثابت شدہ یہ ہیں۔

1:۔ زمین کی کشش ثقل اور جہاں سے انسان آیا ہے اس جگہ کی کشش ثقل میں بہت زیادہ فرق ہے۔جس سیارے سے انسان آیا ہے وہاں کی کشش ثقل زمین سے بہت کم تھی، جس کی وجہ سے انسان کے لئے چلنا پھرنا بوجھ اٹھانا وغیرہ بہت آسان تھا۔انسانوں کے اندر کمردرد کی شکایت زیادہ گریوٹی کی وجہ سے ہے۔

2:۔ انسان میں جتنے دائمی امراض پائے جاتے ہیں وہ باقی کسی ایک بھی مخلوق میں نہیں جو زمین پر بس رہی ہیں۔ڈاکٹر ایلیس لکھتا ہے کہ آپ اس روئے زمین پر ایک بھی ایسا انسان دکھا دیجیے جسے کوئی ایک بھی بیماری نہ ہو تو میں اپنے دعوے سے دستبردار ہوسکتا ہوں جبکہ میں آپ کو ہر جانور کے بارے میں بتا سکتا ہوں کہ وہ وقتی اور عارضی بیماریوں کو چھوڑ کر کسی ایک

بھی مرض میں ایک بھی جانور گرفتار نہیں ہے۔

3:۔ ایک بھی انسان زیادہ دیر تک دھوپ میں بیٹھنا برداشت نہیں کر سکتا بلکہ کچھ ہی دیر بعد اس کو چکر آنے لگتے ہیں اور سن سٹروک کا شکار ہو سکتا ہے۔ جبکہ جانوروں میں ایسا کوئی ایشو نہیں ہے مہینوں دھوپ میں رہنے کے باوجود جانور نہ تو کسی جلدی بیماری کا شکار ہوتے ہیں اور نہ ہی کسی اور طرح کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں جس کا تعلق سورج کی تیز شعاعوں یا دھوپ سے ہو۔

4:۔ ہر انسان یہی محسوس کرتا ہے اور ہر وقت اسے احساس رہتا ہے کہ اس کا گھر اس سیارے پر نہیں۔ کبھی کبھی اس پر بلاوجہ ایسی اداسی طاری ہو جاتی ہے جیسی کسی پردیس میں رہنے والے پر ہوتی ہے چاہے وہ بیشک اپنے گھر میں اپنے قریبی خونی رشتے داروں کے پاس ہی کیوں نا بیٹھا ہو۔

5:۔ زمین پر رہنے والی تمام مخلوقات کا ٹمپریچر آٹومیٹک طریقے سے ہر سیکنڈ بعد ریگولیٹ ہوتا رہتا ہے یعنی اگر سخت اور تیز دھوپ ہے تو ان کے جسم کا درجہ حرارت خودکار طریقے سے ریگولیٹ ہو جائے گا۔ جبکہ اسی وقت اگر بادل آ جاتے ہیں تو ان کے جسم کا ٹمپریچر سائے کے مطابق ہو جائے گا جبکہ انسان کا ایسا کوئی سسٹم نہیں بلکہ انسان بدلتے موسم اور ماحول کے ساتھ بیمار ہونے لگ جائے گا۔ موسمی بخار کا لفظ صرف انسانوں میں ہے۔

6:۔ انسان اس سیارے پر پائے جانے والے دوسرے جانداروں سے بہت مختلف ہے۔ اسکا ڈی این اے اور جینز کی تعداد اس سیارہ زمین پر رہنے والے دوسرے جانداروں سے بہت مختلف اور بہت زیادہ ہے۔

7:۔ زمین کے اصل رہائشی (جانوروں) کو اپنی غذا حاصل کرنا اور اسے کھانا مشکل نہیں، وہ ہر غذا ڈائریکٹ کھاتے ہیں، جبکہ انسان کو اپنی غذا کے چند لقمے حاصل کرنے کے لیے ہزاروں جتن کرنا پڑتے ہیں، پہلے چیزوں کو پکا کر نرم کرنا پڑتا ہے پھر اس کے معدہ اور جسم

کے مطابق وہ غذا استعمال کے قابل ہوتی ہے، اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انسان زمین کا رہنے والا نہیں ہے۔ جب یہ اپنے اصل سیارے پر تھا تو وہاں اسے کھانا پکانے کا جھنجٹ نہیں اٹھانا پڑتا تھا بلکہ ہر چیز کو ڈائریکٹ غذا کیلئے استعمال کرتا تھا۔ مزید یہ اکیلا دو پاؤں پر چلنے والا ہے جو اس کے یہاں پر ایلین ہونے کی نشانی ہے۔

8:۔ انسان کو زمین پر رہنے کیلئے بہت نرم و گداز بستر کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ زمین کے اصل باسیوں یعنی جانوروں کو اس طرح نرم بستر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ اس چیز کی علامت ہے کہ انسان کے اصل سیارے پر سونے اور آرام کرنے کی جگہ انتہائی نرم و نازک تھی جو اس کے جسم کی نازکی کے مطابق تھی۔

9:۔ انسان زمین کے سب باسیوں سے بالکل الگ ہے لہٰذا یہ یہاں پر کسی بھی جانور (بندر یا چمپینزی وغیرہ) کی ارتقائی شکل نہیں ہے بلکہ اسے کسی اور سیارے سے زمین پر کوئی اور مخلوق لا کر پھینک گئی ہے۔

10:۔ انسان کو جس اصل سیارے پر تخلیق کیا گیا تھا وہاں زمین جیسا گندا ماحول نہیں تھا، اس کی نرم و نازک جلد جو زمین کے سورج کی دھوپ میں جھلس کر سیاہ ہو جاتی ہے اس کے پیدائشی سیارے کے مطابق بالکل مناسب بنائی گئی تھی۔ یہ اتنا نازک مزاج تھا کہ زمین پر آنے کے بعد بھی اپنی نازک مزاجی کے مطابق ماحول پیدا کرنے کی کوششوں میں رہتا ہے۔ جس طرح اسے اپنے سیارے پر آرام دہ اور پر تعیش بستر پر سونے کی عادت تھی وہ زمین پر آنے کے بعد بھی اسی کے لئے اب بھی کوشش کرتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ آرام دہ زندگی گزار سکوں۔ جیسے خوبصورت قیمتی اور مضبوط محلات مکانات اسے وہاں اس کے ماں باپ کو میسر تھے وہ اب بھی انہی جیسے بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ جبکہ باقی سب جانور اور مخلوقات اس سے بے نیاز ہیں۔

11:۔ یہاں زمین کی مخلوقات عقل سے عاری اور تھرڈ کلاس زندگی کی عادی ہیں جن کو نہ

اچھا سوچنے کی توفیق ہے نہ اچھا رہنے کی اور نہ ہی امن سکون سے رہنے کی۔انسان ان مخلوقات کو دیکھ دیکھ کر خونخوار ہو گیا۔جبکہ اس کی اصلیت محبت فنون لطیفہ اور امن وسکون کی زندگی تھی۔ڈاکٹر ایلیس کا کہنا ہے کہ انسان کی عقل وشعور اور ترقی سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس ایلین کے والدین کو اپنے سیارے سے زمین پر آئے ہوئے کچھ زیادہ وقت نہیں گزرا، ابھی کچھ ہزار سال ہی گزرے ہیں یہ ابھی اپنی زندگی کو اپنے پرانے سیارے کی طرح لگژری بنانے کے لئے بھرپور کوشش کر رہا ہے، کبھی گاڑیاں ایجاد کرتا ہے، کبھی موبائل فون اگر اسے آئے ہوئے چند لاکھ سال بھی گزرے ہوتے تو یہ جو آج ایجادات نظر آ رہی ہیں یہ ہزاروں سال پہلے وجود میں آ چکی ہوتیں، کیونکہ میں اور تم اتنے گئے گزرے نہیں کہ لاکھوں سال تک جانوروں کی طرح بیچارگی اور ترس کی زندگی گزارتے رہتے۔ڈاکٹر ایلیس سلور کی کتاب میں اس حوالے سے بہت کچھ ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کے دلائل کو ابھی تک کوئی جھوٹا نہیں ثابت کر سکا۔میں اس کے سائنسی دلائل اور مفروضوں پر غور کر رہا تھا کہ یہ کہانی ایک سائنسدان بیان کر رہا ہے یہ کوئی کہانی نہیں بلکہ حقیقی داستان ہے، جسے ہم مسلمانوں کی کتاب (قرآن مجید) میں بالکل اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔میں اس پر اس لیے تفصیل نہیں لکھوں گا کیونکہ ہم سبھی اپنے باپ آدمؑ اور اماں حواؑ کے معاملے کو اچھی طرح جانتے ہیں۔

سائنس اللہ کی طرف چل پڑی ہے، سائنسدان وہ سب کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں، جو انبیاء کرام اپنی نسلوں کو بتاتے رہے تھے۔ارتقاء کے نظریات کا جنازہ اٹھ چکا ہے۔اب انسانوں کی سوچ کی سمت درست ہو رہی ہے۔یہ سیارہ ہمارا نہیں ہے۔اللہ پاک نے اپنی عظیم کتاب قرآن حکیم میں بھی بار بار یہی بتا دیا کہ:

اے انسانوں یہ دنیا کی زندگی تمہاری آزمائش کی جگہ ہے۔جہاں سے تم کو تمہارے اعمال کے مطابق سزا و جزا ملے گی۔باقی واللہ علم

ڈاکٹر موریس بوکایے (Dr. Maurice Bucaille)

(ترتیب و تحقیق: شفیق احمد)

ڈاکٹر موریس بوکایے (Dr. Maurice Bucaille) ایک معروف فرانسیسی معالج (فزیشن)، مصنف اور محقق تھے جنہوں نے سائنس اور مذہب، خصوصاً اسلام اور قرآن کے باہمی تعلق پر گہری تحقیق کی۔ ان کا سب سے مشہور کام ان کی کتاب "The Bible, The Qur'an and Science" ہے، جس کا اردو ترجمہ "بائبل، قرآن اور سائنس" کے نام سے بھی معروف ہے۔

مختصر تعارف:

- پیدائش: 19 جولائی 1920
- وفات: 17 فروری 1998
- شعبہ: میڈیکل سائنس، مذہبی تحقیق
- قومیت: فرانسیسی

ڈاکٹر بوکایے نے اپنی اس کتاب میں تینوں آسمانی کتابوں (تورات، انجیل، قرآن) کا موازنہ سائنسی نظریات کی روشنی میں کیا۔ ڈاکٹر موریس بوکایے نے قرآن مجید کے سائنسی پہلوؤں پر جو تحقیق پیش کی، وہ کئی حوالوں سے غیر معمولی ہے۔ ان کے مطابق تورات اور انجیل میں سائنسی غلطیاں موجود ہیں۔ جب کہ قرآن میں بیان کردہ بیشتر سائنسی حقائق جدید سائنس سے ہم آہنگ ہیں، جیسے:

کائنات کی ابتدا (Big Bang Theory) جنین کی نشوونما (Embryology) زمین و آسمان کا ارتقا، پانی کا دائرہ (Water Cycle)

ان کا دعویٰ تھا کہ: "قرآن میں کوئی سائنسی غلطی نہیں ہے، بلکہ اس میں موجود بہت

سے بیانات جدید سائنسی دریافتوں سے مطابقت رکھتے ہیں ۔ باوجود اس کے کہ یہ کتاب 7ویں صدی میں نازل ہوئی ۔"

- قرآن میں کوئی بھی سائنسی بات خلافِ عقل یا غلط نہیں ۔
- تخلیق کائنات، انسان کی پیدائش، پانی کا چکر، آسمان و زمین کی ساخت جیسے موضوعات سائنس سے ہم آہنگ ہیں ۔
- قرآن میں " فکر کرو، تحقیق کرو " کی بھرپور دعوت ہے، جو سائنس کی اصل روح ہے۔

ڈاکٹر بوکایے کے مطابق بائبل کے متعدد بیانات سائنسی حقائق کے منافی ہیں، جس سے اس کی تحریف شدہ حیثیت واضح ہوتی ہے ۔ تورات میں تخلیقِ کائنات کا ذکر 6 دنوں میں ہے، مگر دن کی تعریف واضح نہیں ۔ سورج کے پیدا ہونے سے پہلے دن رات کا ذکر ایک سائنسی تضاد ہے ۔ طوفان نوح، زمین کی تخلیق اور انسان کی پیدائش جیسے بیانات سائنس سے متصادم ہیں ۔ انجیل میں زیادہ تر اخلاقی و روحانی تعلیمات ہیں، اور ان میں سائنسی بیانات نہ ہونے کے برابر ہیں۔

ڈاکٹر بوکایے کے مطابق قرآن کے نمایاں سائنسی پہلو:

1۔ کائنات کی تخلیق (The Creation of the Universe)

قرآن میں تخلیقِ کائنات کے متعلق متعدد آیات ایسی ہیں جو "Big Bang Theory" سے مطابقت رکھتی ہیں:

" أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا" (الأنبياء 30:21)

''کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین دونوں ایک اکائی تھے، پھر ہم نے

ان کو جدا کیا۔" ڈاکٹر بوکایے نے اس آیت کو "Big Bang" کے نظریے کے مماثل قرار دیا جہاں کائنات ابتدا میں ایک اکائی (singularity) تھی، جو ایک عظیم دھماکے سے پھٹی۔

2۔ جنین کی نشوونما (Human Embryology)

قرآن میں انسانی جنین کی ارتقائی مراحل کا بیان آج کی جدید ایمبریولوجی (Embryology) سے مکمل ہم آہنگ ہے:

" خَلَقْنَا لْإِنسانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ" (الإنسان 76:2)

"ہم نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا جو مختلف اجزاء کا مرکب تھا۔"

اور مزید: "ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً" المؤمنون 23:14

"پھر نطفہ کو ہم نے لوتھڑا بنایا، پھر لوتھڑے کو گوشت کا لوتھڑا بنایا۔۔۔" ڈاکٹر بوکایے نے اس بیان کو حیرت انگیز قرار دیا کہ یہ مراحل جدید الٹرا ساؤنڈ یا مشاہداتی سائنس کی مدد کے بغیر صدیوں پہلے کیسے بیان کیے گئے۔

3۔ زمین و کائنات کا توازن (Balance of Earth and Cosmos)

" وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ " الرحمٰن 55:7

"اور آسمان کو اس نے بلند کیا اور توازن قائم کیا۔"

یہ توازن کائنات میں موجود فزیکل فورسز (مثلاً گریویٹی، سینٹرفیوگل فورس) اور نظامِ شمسی میں اجرام فلکی کی حرکتوں کی طرف اشارہ ہے۔

4۔ پانی کا چکر (Water Cycle)

قرآن میں بارش، بخارات، بادل اور پانی کے چکر کی تفصیل کئی مقامات پر ہے:

" أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ" الزمر 39:21

"اس نے آسمان سے پانی نازل کیا اور اسے زمین کی تہوں میں چشموں کی صورت میں جاری کر دیا۔"

ڈاکٹر بوکا یے کے مطابق، یہ آیات ہائیڈرولوجی (Hydrology) کے اصولوں کو ظاہر کرتی ہیں، جنہیں سائنس نے بعد میں دریافت کیا۔

5۔ پہاڑوں کا استحکام (Mountains and Earth's Stability)

" وَأَلْقَىٰ فِي ٱلْأَرْضِ رَوَٰسِيَ أَن تَمِيدَ بِكُمْ" لقمان 31:10

"اور زمین میں اس نے مضبوط پہاڑ رکھ دیے تاکہ وہ تمہیں ہلا نہ دے۔"

ڈاکٹر بوکا یے نے اس آیت کو plate tectonics اور زمینی استحکام کے تصور سے جوڑا۔

6۔ سمندر کی تہوں کا اندھیرا (Darkness in the Ocean)

" أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ سَحَابٌ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ" النور 40:24

"یا جیسے گہرے سمندر کی تاریکیاں ہوں جن پر ایک کے اوپر ایک موج ہو، اور ان کے اوپر بادل ہوں۔ اندھیرے پر اندھیرے چھائے ہوں۔۔۔" یہ ایسی تفصیل ہے جو گہرے سمندر میں جانے والی جدید ترین سائنسی دریافتوں کے بغیر بیان نہیں کی جا سکی

ڈاکٹر بوکا یے وضاحت کرتے ہیں کہ ان کا مقصد مذہب کے خلاف یا اس کے حق میں بحث کرنا نہیں، بلکہ سچائی اور حقیقت کی تلاش ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ قدیم الہامی کتابوں کو سائنس کے غیر جانبدار معیار پر پرکھنا چاہیے۔

7۔ فرعون کی لاش اور قرآن (Mummy of Pharaoh)

ڈاکٹر بوکا یے کو مصر میں ایک فرعون کی لاش پر تحقیق کا موقع ملا، جو سمندر میں غرق ہوا تھا۔

قرآن میں ذکر ہے: ''آج ہم تیرے جسم کو نجات دیں گے تاکہ تو ان لوگوں کے لیے نشانی بن جائے جو تیرے بعد آئیں'' (یونس 92)

جبکہ بائبل میں صرف یہ ذکر ہے کہ وہ سمندر میں ڈوبا۔ مصر کے فرعون کی محفوظ لاش قرآن کی اس پیشین گوئی کی سچائی کی شہادت بن گئی۔

8۔وحی اور سچائی کی پہچان (Revelation and Truth)

- ڈاکٹر بوکایے کے مطابق قرآن کا مواد محمد ﷺ کی طرف سے خود ساختہ نہیں ہوسکتا کیونکہ اس میں ایسی معلومات ہیں جو اس وقت انسانی علم میں نہیں تھیں۔
- انہوں نے قرآن کو معجزاتی اور سائنسی لحاظ سے مستند کتاب قرار دیا۔

ڈاکٹر بوکایے کا نتیجہ: ''میں نے قرآن کو اس زاویے سے پڑھا کہ یہ کلامِ الٰہی ہے یا نہیں۔ اور میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ کتاب سائنس سے متصادم نہیں بلکہ اس کے عین مطابق ہے۔''

دعائے مغفرت

گوجرانوالہ سے محمد اقبال صاحب کی ہمشیرہ

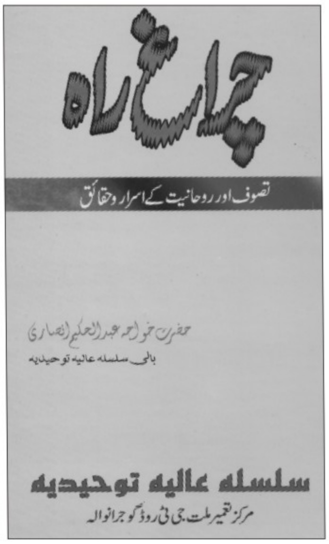
نوکھر سے حافظ محمد یٰسین کی ممانی

ملتان سے حکیم محمد اسلم صاحب کا بھتیجا

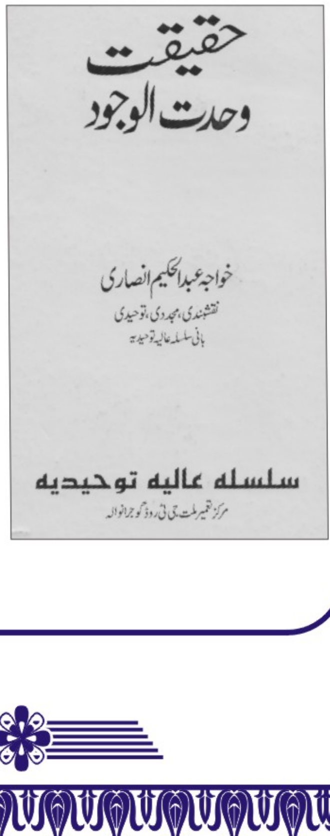
بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـا اِلَیْہِ رَاجِعونَ)

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



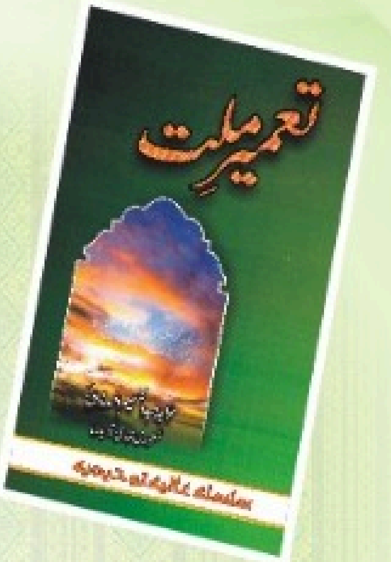
کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات،مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔زوال اُمت میں اُمراء ،علماء،صوفیاء کا کردار۔علماء اورصوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اورتصوّف کے انسانی زندگی پراثرات۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



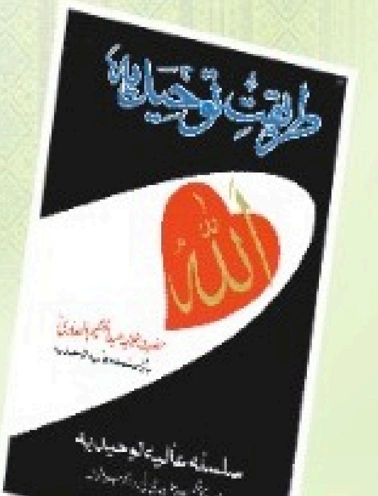
وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصرسی کتاب نہایت ہی اہم دستاویزہے۔مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیاہے۔آپ نے جن دیگر موضوعات پرروشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔حضرت مجددالف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اورناگزیریت،بنیادی سوال جس نےنظریۂ وحدت الوجودکو جنم دیا اورروحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

سلسلہ توحیدیہ کی مطبوعات

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق و آداب کے اسرار و رموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد و اذکار اور اعمال و اشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں، جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔



Reg: CPL - 01

Website www.tauheediyah.com